دبستانِ چریاکوٹ کی چار عبقری الزماں "فقید المثال" اور نادر روزگار ہشت پہلو شخصیات

علامہ محمد فاروق چریاکوٹیؒ (متوفی: ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء)

اور اُن کے

تین عظیم بیٹے

علامہ محمد مبین کیفی چریاکوٹی

مفتی محمد یٰسین چریاکوٹی

پروفیسر محمد امین چریاکوٹی

تالیف وتحقیق

مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی

دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

ناشر: انجمن مخدومیہ (رجسٹرڈ) چریاکوٹ، مئو، یوپی، انڈیا 276129

نعمانی بک ڈپو
محل سندی، پاٹھے کٹرا
چریاکوٹ، مئو، یوپی (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دبستانِ چریاکوٹ کی چار عبقری الزمان، فقید المثال اور نادرِ روزگار ہشت پہلو شخصیات

علامہ محمد فاروق چریاکوٹی

اور اُن کے

تین عظیم بیٹے

علامہ محمد مبین کیفی چریاکوٹی — مفتی محمد یٰسین چریاکوٹی — پروفیسر محمد امین چریاکوٹی

-: تالیف و تحقیق :-

محمد اَفروز قادری چریاکوٹی

دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

بأبِي أنتَ وأمِّي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيکَ أيُّهَا النَّبِيُّ الأمِّيُّ

تفصیلات

کتاب مستطاب: ایک عظیم باپ کے تین عظیم بیٹے

تالیف وتحقیق : ابو رِفقہ محمد افروز قادری چریاکوٹی.....................

دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ
afrozqadri@gmail.com

تحریک وتصحیح : مبلغ رشدو ہدایت حضرت علامہ محمد عبدالمبین نعمانی قادری

غرض وغایت : اِحیاوترویج معارف وافکارِ علماے چریاکوٹ

کمپوزنگ : فہمی مظہری چریاکوٹی

صفحات : ایک سوچوالیس(144)

اشاعت : 2016ء - ۱۴۳۷ھ

قیمت : 120/روپے

باہتمام : عرس کمیٹی، روضۂ مخدوم پاک، چریاکوٹ، مئو، یوپی

تقسیم کار : اِدارہ فروغِ اسلام، چریاکوٹ، مئو، یوپی، انڈیا

o رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إنَّکَ أنْتَ السَّمِيْعُ العَلِيْمُ o

فہرست مضامین

اِبتدائیہ

فاتح چریا کوٹ اَبوالعلماء والمشایخ، زبدۃ العارفین ابوالجلال قاضی مخدوم محمد اِسماعیل حسن عباسی ہاشمی چریا کوٹی قدس سرہ (م۸۲۲ھ) اِسلامی تاریخ رجال کا ایک بڑا ہی عظیم اور معتبر نام ہے۔ دبستانِ چریا کوٹ کے اِس مورثِ اعلیٰ نے علمی وروحانی اِعتبار سے ایسا گراں قدر کارنامہ انجام دیا ہے کہ علمی خانوادے اور روحانی خانقاہیں رہتی دنیا تک اس کے منت کش اِحسان رہیں گی۔ یہ کوئی **فرنگی محل لکھنو** نہیں جہاں دور دیار سے جید علما وفضلا آتے رہے اور کڑیوں سے کڑیاں ملاکر دبستانِ فرنگی محل کو عروج وارتقا کے مرحلوں سے گزارتے رہے، بلکہ یہ **خطۂ چریا کوٹ** ہے جہاں باہر سے کوئی نہیں آیا، صرف یہیں کی سوندھی مٹی سے اُٹھنے والے جیالوں نے **دبستانِ چریاکوٹ** کو تشکیل دیا اور پھر اس کی خوشبو اَطرافِ ہند بلکہ اَکنافِ عالم میں پھیلی۔ اگر اس حیثیت سے دیکھا جائے تو دبستانِ چریا کوٹ دوسرے علمی دبستانوں کے درمیان اپنی ایک الگ اکلوتی اِنفرادیت اور اِمتیازی شان رکھتا ہے۔

یاد رہے کہ قصبہ چریا کوٹ، اَعظم گڑھ اور غازی پور کے وسط میں ایک ایسا مردم خیز قصبہ اور علم اَفروز خطہ ہے جہاں سے صدیوں حکمت واَدب کی خدمت وآبیاری اور فکر ونظر کی طہارت وپاکیزگی کا سامان ہوتا رہا ہے۔ علماے چریا کوٹ کی علمی وفکری اور تحقیقی وسائنسی خدمات واِنکشافات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ اس مٹی سے جہاں نامور علما وفضلا، مشایخ وصوفیہ اور حکما ومفکرین اُٹھے ہیں وہیں شعروبیان کی زلفیں سنوارنے اور اَدبی ذخائر میں قابل قدر اِضافہ کرنے والے بالغ نظر اور نکتہ سنج جید شعرا واُدبا بھی اُبھرے ہیں۔

یہ کوئی مبالغہ نہیں بے غبار سچائی ہے کہ فاتح چریا کوٹ مخدوم زادہ اسماعیل علیہ الرحمہ کے دم قدم سے کوئی سات صدیوں تک چریا کوٹ کی سرزمین متواتر علما وفضلا اور مشایخ وصوفیہ کی آماجگاہ بنی رہی۔ میں کبھی کبھی سوچ کر حیران ہوتا ہوں اور تذکرہ نگاروں کی کرم فرمائیوں پر انگشت

بدنداں رہ جاتا ہوں کہ زمین کا وہ چھوٹا سا خطہ جس سے چار سو سے زائد نامور شخصیات اور قدآور ہستیاں اُٹھیں وہ اس قدر جلد تاریخ کے سرد خانے میں کیسے چلا گیا اور منصف مؤرخین نے اس سرزمین کے علم وعلما کی تاریخ کے ساتھ کتنے اِنصاف سے کام لیا، اور کتنا سوتیلے پن کا برتاؤ کیا!، اس کا غیر جانب دارانہ اِحتساب اور بے لاگ تجزیہ وقت کا جبری تقاضا ہے!۔

خیر! ڈھائی سو (250) سے زائد جدید وقدیم رسائل وکتب، اخبارات ونوادرات اور قلمی دستاویزات ومخطوطات کے مستند حوالوں سے مزین، کوئی ساڑھے سات سو (750) صفحات پر مشتمل زیرترتیب کتاب **'تذکرۂ علماے چریاکوٹ'** عنقریب منظرعام پرآ کر ایسے بہت سے حقائق کی گرہیں کھولنے والی ہے جن کو تاریخ کی دبیز تہوں میں عمداً یا سہواً دبا دیا گیا تھا، نتیجتاً آج علماے چریاکوٹ کا کام تو دور رہا، اُن کے نام سے بھی خال خال ہی لوگ واقف ہیں۔

غور فرمائیں کہ یہاں کے متاخرین علما میں سب سے مشہور نام مولانا محمد فاروق چریاکوٹی کا ہے جن پر لکھنے والے ہمارے کرم فرما مورخین کی من جملہ تحقیقات کو جمع کردیا جائے تو پانچ چھ صفحے سے زیادہ نہ بنیں گے؛ مگر ہم نے -بحمداللہ- مولانا کی حیات وخدمات کو 75 سے زائد صفحات میں پیش کیا ہے۔ یہ صرف ایک نمونۂ عبرت ہے۔اس سے اتنا تو اندازہ ہوجاتا ہے کہ جب مشاہیر کے ساتھ یہ رویہ روا رکھا جاتا رہا ہے تو یہاں کے کم معروف علما ومشائخ کے ساتھ کیا سلوک نہ ہوا ہوگا!۔

حال ہی میں مطبوعہ کتاب **'علماے چریاکوٹ، اَفکار ونظریات کے آئینے میں'** کی زبردست مقبولیت اور اَحباب کی سراہنا کے بعد خیال ہوا کہ **عرسِ فاتح چریاکوٹ** 2016ء کے موقع پر بھی کچھ مواد کتابی شکل میں آجانا چاہیے، تو اسی تناظر میں یہ کتاب مرحلہ جمع وترتیب سے گزاری گئی۔اس میں مولانا محمد فاروق اور آپ کے تین باکمال صاحب زادگان کی حیات وخدمات کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔قارئین کو دورانِ مطالعہ اگر ہماری محنت کا کسی بھی جہت سے اِحساس ہو تو ہمیں اپنی دعاے خیر سے ضرور نوازیں۔اور اللہ ہی ہر چیز کا بہتر اَجر وصلہ دینے والا ہے۔

محمد افروز قادری چریاکوٹی

۱۲/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ-۲۲/فروری ۲۰۱۶ء

داستان ایک عظیم باپ کی

فخر الأدباء، اُستاذ العلماء مولانا محمد فاروق عباسی چریاکوٹی

چریاکوٹی علما کے درمیان عالمی شہرت و ناموری پانے والوں میں مولانا محمد فاروق عباسی چریاکوٹی کا نام سرفہرست ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آج علمی دنیا میں چریاکوٹ کا جو بھی نام و مقام ہے وہ آپ ہی کے نام و کام کے باعث زندہ و قائم ہے۔ اَدب و معقولات میں آپ کی اِمامت اور درسیات میں آپ کی اُستاذی مسلم ہے۔ آپ قاضی علی اکبر عباسی چریاکوٹی کے چھوٹے فرزند ارجمند، اور مولانا عنایت رسول عباسی کے برادرِ خورد تھے۔ آپ کا شجرۂ نسب یہ ہے :

مولانا محمد فاروق ابن قاضی علی اکبر ابن قاضی عطا رسول ابن قاضی غلام مخدوم ابن قاضی عبدالصمد ابن قاضی ابوالحسن ابن قاضی منصور ابن قاضی جلال ابن قاضی جمال الدین عرف بوڑھن ابن قاضی حسن ابن قاضی محمد افضل ابن قاضی محی الدین نورا ابن مخدوم شاہ محمد اسماعیل ہاشمی عباسی ابن ابوالعلا اعز الدین ابن ابوالجلال فخر الدین محمد ابن شیخ محمد فصیح الدین ابن شیخ احمد ملیح ابن شیخ عبدالصالح ابن شیخ غیاث الدین ابن شیخ محمد شریف ابن شیخ زید ابن شیخ عمر ابن شیخ ابوالقاسم ابن شیخ نظام الدین ابن شیخ زین العابدین ابن شیخ ہاشم امیر الامراء ابن ابومظفر ابن شیخ جعفر ابن شیخ عبدالصمد ابن شیخ اسماعیل ابن شیخ ابومنصور ابن شیخ ابوالملک ابن مخدوم ابوالعباس عبداللہ السفاح (خلیفہ عباسی اوّل) ابن شیخ محمد ابن شیخ ابوالحسن علی ابن (ترجمان القرآن) عبداللہ ابن ابوالفضل عباس ابن عبدالمطلب ہاشمی

جد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔(۱)

رشکِ یونان وشیراز، دارالعلم پرگنہ چریاکوٹ کے اندر ۱۲۵۴ھ (مطابق ۱۸۳۸ء) میں آپ کی پیدائش ہوئی۔(۲) آپ کا خانوادہ چونکہ خود ہی علومِ عقلیہ وشرعیہ کی قدیم آماجگاہ تھا، پشت در پشت کشت علوم ومعارف کی آبیاری اس خاندان کا طرۂ امتیاز رہا؛ اس لیے آپ کو تعلیم وتربیت کے فیوض وانوار سے مالامال ہونے کے لیے بہت زیادہ بلاد واَمصار کی خاک نہیں چھاننی پڑی۔ چنانچہ نحو وصرف، بیان ومنطق، اُصول ہندسہ، مناظر واَعداد، طبعی والٰہی اور دیگر علوم عقلیہ ونقلیہ کی کتابیں آپ نے گھر ہی پر اپنے بڑے بھائی ماہر معقول ومنقول قاضی عنایت رسول عباسی چریاکوٹی (م ۱۳۲۰ھ) سے پڑھیں۔(۳)

پھر منتہی تعلیم کے لیے مشاہیر علم ونوابغ رجال کے دامن فیض سے خود کو وابستہ کرلیا۔ چنانچہ مولانا رحمت اللہ فرنگی محلّی (م ۱۳۰۵ھ) سے آپ نے علمِ ہیئت کا درس لیا۔ جب کہ بعض کتب میں مرقوم ہے کہ علم ہیأت اور کچھ دیگر علوم کو آپ نے مفتی نعمت اللہ فرنگی محلّی سے پڑھا(۴)، علمِ فقہ واصولِ فقہ کی تحصیل مفتی محمد یوسف فرنگی محلّی (م ۱۲۸۲ھ) سے مدرسہ حنفیہ جون پور میں کی۔

حاشیہ زاہدیہ برشرحِ ملا جلال' مولانا ابوالحسن منطقی (م ۱۲۹۲ھ) سے سیکھا۔ علم اَدب کے رموز ودقائق از خود اپنے طبعی ذوق سے حاصل کیے۔ پھر اساتذۂ مشاہیر کے خرمن کمال کا ہر دانہ چن کر وہ منزل ومقام بنایا کہ علماے مشاہیر کی صف میں آپ کا نام اِمتیازی حیثیت اختیار کرگیا۔

---

(۱) شجراتِ عباسیہ چریاکوٹ، از: حکیم اختر القادری: ۵۴۔ مطبوعہ مکتبہ کنز الایمان، جبل پور۔

(۲) متفرقاتِ مکرم، قلمی نسخہ: ۱۶۸۔

(۳) الخطب الحنفیہ فی المواعظ الحسنۃ البہیۃ: ۴۹، مطبوعہ انوار احمدی الہ آباد۔

(۴) الخطب الحنفیہ فی المواعظ الحسنۃ البہیۃ: ۵۰، مطبوعہ انوار احمدی الہ آباد۔

اس طرح آپ کو علوم معقولی ومنقولی اور ریاضیات وادبیات سب پر عبور ہو گیا۔ ریاضی کی ایک شاخ موسیقی بھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا نے اور فنون کی طرح اس فن کو بھی اس دور کے کسی اُستاد سے باقاعدہ پڑھا اور اس میں بڑی دستگاہ حاصل کی۔(۱)

علم و ہنر کی تحصیل نے آپ کو ملک حجاز کے سفر پر روانہ کیا، جہاں آپ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ساتھ ہی اکابر علمائے کرام اور فقرائے اہل اسلام کی صحبت سے بھی برابر فیض یاب ہوتے رہے۔

ابوالجمال مولانا احمد مکرم عباسی چریاکوٹی کے بقول مولانا فاروق چریاکوٹی کو علم تفسیر و حدیث، فقہ وکلام، قراءت وتصوف، ہیأت ونجوم، عروض وبلاغت، نحو وصرف، لغت واَسماء الرجال، منطق وفلسفہ، اور جفر واقلیدس وغیرہ میں یدطولیٰ حاصل تھا۔(۲)

مولانا کٹر حنفی، مقلد خالص اور معمولاتِ اہل سنت وجماعت پر کاربند تھے، اور ساتھ ہی صوفیانہ مزاج کے بھی مالک تھے، طبیعت میں سادگی، اور بے تکلفی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اہل دل کی صحبتوں سے بہت مانوس تھے، اور سالہا سال خود کو ان اہل اللہ کی علمی وروحانی مجلسوں کا ریزہ خور بنائے رکھا۔ کہتے ہیں کہ فقہ اور تصوف کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ان میں تضاد کا خیال غلط وگمراہ کن ہے۔ فقہ وتصوف، شریعت وطریقت، ظاہر وباطن، صورت ومعنی اور عقل وعشق کا اِمتزاج ہی مرج البحرین ہوسکتا ہے۔ یعنی فقیہ کو تصوف اور صوفی کو فقہ سے واقف وآگاہ ہونا لازمی ہے۔

صاحب تذکرہ علمائے ہند' مولوی رحمٰن علی نے یگانۂ روزگار بزرگ شیخ علی احمد- جو کہ حافظ شاہ ابواسحٰق بھیروی علیہ الرحمہ کے نواسے تھے- کے باب میں مولانا فاروق عباسی

(۱) ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، جون ۱۹۹۵ء ص: ۴۳۹ تا ۴۴۰۔

(۲) مولانا احمد مکرم کے فارسی منظوم اوراقِ پریشاں سے یہ اقتباس مستعار ہے: ۳۰، قلمی۔

چریا کوٹی کے تعلق سے لکھا ہے کہ مولوی محمد فاروق عباسی چریا کوٹی -سلمہ اللہ- ایک خط میں لکھتے ہیں :

راقم سطور پیش از سی سال بخدمت سراپا برکتش طرف سعادت می بندو تا ایں دم کلامیکہ دال برذم کسے باشد از زبانش نشنید ومجلسش را گاہی خالی از ذکر الٰہی ندید، تا ایں زمان بہ صلاح حال وممدوحیت السنہ رجال و بہ التزام ومداومت محاسن اعمال مقرون است ۔ ادام اللہ برکاتہ-

یعنی راقم سطور تیس (۳۰) سال سے ان کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتا ہے۔ آج تک میں نے کسی کی برائی میں ان کی زبان سے کوئی بات نہیں سنی، اور ان کی مجلس کبھی ذکر الٰہی سے خالی نہیں دیکھی ۔ آج تک صلاحِ حال سے متصف ہیں ۔ لوگوں کی زبان پر ان کی تعریف ہے اور ہمیشہ اعمالِ حسنہ میں مشغول رہتے ہیں ۔ اللہ ان کا فیض برکت ہم پر دراز فرمائے -(۱)

یوں ہی اَرباب تصوف اور عرفاے حق سے آپ کے مراسم وتعلقات بھی بہت گہرے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ یم تصوف کے شناور اور اقلیم روحانیت کے تاجور، عالم عامل، صوفی کامل عارف باللہ مولانا محمد عبدالعلیم آسی غازی پوری (م ۱۳۳۵ھ)...... قدوۃ العاشقین ،امام الواصلین شاہ جہانگیر فخر العارفین مولانا محمد عبدالحیٔ چاٹگامی (م ۱۳۳۹ھ) ......عمدۃ المحققین ،نبراس المتصوفین، علامہ سید شاہ شہود الحق چشتی اَصدقی (م ۱۳۳۱ھ)...... اور زبدۃ العارفین، شیخ المشائخ، علامہ شاہ حفیظ الدین لطیفی (م ۱۳۳۳ھ) نہ صرف آپ کے معاصرین میں ہیں بلکہ آپ کے دائرۂ اَحباب اور حلقہ یاراں میں بھی شامل تھے۔ ان لوگوں میں معاصرت کے ساتھ حسن رفاقت بھی قائم تھی، اور مرتے دم تک باقی رہی ۔

---

(۱) تذکرۂ علماے ہند: ۱۴۳۔

مولانا سید رکن الدین اصدق، مستغرق بحرِ شہود، سید شاہ شہود الحق چشتی علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات پر لکھتے ہوئے اپنے ایک مبسوط مضمون کے آغاز میں رقم طراز ہیں :

> فرنگی محل کے علمی مرکز میں لمبے عرصے تک آپ کا تعلیمی سلسلہ جاری رہا۔اسی دور میں حضرت مولانا محمد فاروق چریا کوٹی، حضرت مولانا شاہ امانت اللہ غازی پوری، حضرت مولانا شاہ محمد حفیظ الدین کٹیہاری اور عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم آسی غازی رحمہم اللہ جیسے علماے کبار آپ کے ہم درس تھے۔(۱)

یوں ہی حضرت فخر العارفین چاٹگامی علیہ الرحمہ، مولانا عبدالعلیم آسی کے علم وکمال خصوصاً آپ کی تاریخ گوئی کے بہت زیادہ مداح ہونے کے ساتھ مولانا فاروق عباسی کے شکوہِ فضل و ہنر اور سطوتِ علمی سے بھی کافی متاثر اور ان کے گرویدہ تھے۔ایک مقام پر انھوں نے فرمایا کہ 'پورب کے لوگوں میں مولوی محمد فاروق صاحب چریا کوٹی اور مولانا عبدالعلیم صاحب فلسفہ، فقہ اور اصول میں بہت مشہور تھے'۔(۲)

اور پھر ایسا کیوں نہ ہوتا کہ مولانا فاروق ایک طرف تو چراغِ ربانی مولانا کامل نعمانی ولید پوری سے شرف مصاہرت (رشتۂ دامادی) رکھتے تھے، جو اپنے وقت میں تصوف وروحانیت کی اَتھارٹی اور علومِ ظاہری و باطنی کا مُنتہاے کمال تصور کیے جاتے تھے، اور دوسری طرف خود آپ کے مورثِ اعلیٰ ابوالجلال مولانا قاضی مخدوم اِسماعیل حسن عباسی علیہ الرحمہ [بقولِ مولوی اِحسان اللہ عباسی گورکھ پوری] شیخ المشایخ خواجہ نصیر الدین محمود چراغِ دہلوی علیہ الرحمہ کے ساتھ سلسلہ اِرادت وخلافت میں بندھے ہوئے تھے۔(۳)

---

(۱) سہ ماہی جامِ شہود، بہار شریف۔بابت اپریل تا جون ۲۰۱۱ء۔

(۲) سیرتِ فخر العارفین، حصہ اول۔ص:۲۱۔

(۳) تفصیل کے لیے دیکھیں، تاریخ الاسلام، از احسان اللہ عباسی: ص ۵۴۴۔

تو ظاہر ہے کہ ایسا قران السعدین جس کا خمیر ہی تصوف ومعرفت پر اُٹھا ہو اگر تصوف وروحانیت کے فروغ وتوسیع میں اپنا موروثی ومصاہرتی ومنصبی فریضہ سرانجام دے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے!۔

اہل اللہ کی مجلسوں میں بیٹھنا اور ان کی خدا بھاتی باتیں سننا آپ کی نشاطِ قلب وروح کا باعث تو تھا ہی، بساطِ تصوف سے لپٹے ہوئے بعض مشاغل بھی آپ کی دلچسپیوں کا خصوصی عنوان تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ سماع (قوالی) آپ کے روح کی غذا تھی، اور آپ اس سے محظوظ ہوتے تھے۔ کہتے ہیں کہ علما وعرفاے حق' سماع کے زینے سے بہت سے مقامات طے کر جاتے ہیں؛ مگر آپ اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر سماع بالمزامیر کے بھی قائل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب فخر العارفین علامہ عبدالحئ چاٹگاموی علیہ الرحمہ نے مزامیر کے ساتھ سماع کے جواز پر شہرۂ آفاق کتاب 'تحقیق المضاییر فی سماع المزامیر' لکھی تو دیگر بہت سے علما ومحققین کی آرا وتصدیقات کے ساتھ مولانا فاروق چریاکوٹی کی معرکۃ الآرا اور اَدبی نزاکتوں سے مرصع تقریظ بھی اس کتاب کا حصہ بنی۔(۱)

اور میرا تو وجدان کہتا ہے کہ مولانا نے دارالعلم چریاکوٹ کی تاریخی سرزمین کو اپنی آخری آرام گاہ بنانے کی بجائے دھاواں شریف کے ایک غیر ذی زرع علاقے میں ایک ولی کے قدموں تلے جو اپنی دائمی قیام گاہ بنانے کی وصیت کی تو شاید اس کا ایک باعث یہ بھی رہا ہو کہ وہاں ہر وقت سماع کا سماں بندھا ہوتا ہے اور مولانا کی روح کی تسکین اسی میں ہو کہ اہل اللہ کے قدموں میں پڑا رہوں اور کان ہر وقت سماع کی لذتوں سے شادکام ہوتے رہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الغرض! علم وہنر اور معرفت وروحانیت مولانا فاروق چریاکوٹی کے خمیر کا اٹوٹ حصہ بن گیا تھا؛ اس لیے جہاں جہاں علم وفقہ کی سرپرستی، اور بادۂ تصوف کی سرمستی ہوتی

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے: تحقیق المضاییر فی سماع المزامیر: ۱۷۔

وہ مقامات آپ کی نگاہ میں بڑی وقعت واہمیت رکھتے تھے۔ ریاست رام پور سے آپ کو قلبی لگاؤ صرف اسی باعث تھا کہ وہاں کی لائبریری کا شمار اِسلامی دنیا کی عظیم وجلیل لائبریریوں میں ہوتا تھا، اوراس سے آپ نے بھرپور استفادہ بھی کیا تھا۔

اسی علم وفن کی سرپرستی کے باعث سرکار نظام دکن کی بھی آپ کی نگاہ میں بڑی قدر تھی۔ اور سرکارِ دکن بھی مولانا کے علوِ مرتبت کے مداح وقدرداں تھے۔ چنانچہ آپ ایک مرتبہ سرکار دکن کے خصوصی مہمان کی حیثیت سے حیدرآباد تشریف لے گئے تھے۔ اس موقع پر کتاب 'عباسیانِ چریاکوٹ' میں ایک بڑی دلچسپ حکایت نقل ہے، جس سے مولانا کی سادگی اورصوفیانہ زندگی پر بھرپور روشنی پڑتی ہے :

جب مولانا فاروق عباسی چریاکوٹی بہ حیثیت مہمانِ خصوصی سرکار دکن حیدرآباد میں قدم رنجہ ہوئے تو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرائے گئے، اور مہمان نوازی کے لیے بڑے تزک واِحتشام کا انتظام ہوا۔ گرمی کی شدت کا زمانہ تھا، کڑی دھوپ تھی، گرم ہوائیں چل رہی تھیں؛ لہٰذا مہمان گرامی کے لیے پنکھے اورخس کی ٹٹیوں کے اندر آرام کا انتظام کیا گیا۔

جب دوپہر کا سناٹا ہوا تو مہمانِ خصوصی کمرے سے باہر نکلے اور سیدھے ملازمین کے کوارٹر کی طرف بڑھے۔ وہاں سے بانس کا ایک بکھٹہ اُٹھا لائے اور اسے مہمان خانہ کے برآمدہ کے ایک گوشہ میں ڈال کر اس پر آرام سے سوگئے۔ جب اس عجیب وغریب ماجرے کی خبر فرماں روائے دکن کو ہوئی، اور مولانا فاروق نظام دکن کے روبرو ہوئے تو نظام نے ان سے سوال کیا کہ اس شدت کی گرمی میں آپ کے آرام کے لیے کتنا معقول بندوبست کیا گیا تھا؛ مگر لگتا ہے شاید وہ آپ کو پسند نہیں آیا!۔

مولانا نے فرمایا: دراصل میری طبیعت اس آرام کی عادی نہیں ہے۔

اور پنکھے کی ہوا میں، نیز خس کی ٹٹیوں کے نیچے مجھے نیند ہی نہیں آتی ؛ لہٰذا میں نے اپنے آرام کا خود ہی انتظام کرلیا۔

نظام نے کہا: اس گرم ہوا اور تپش میں کھلے برآمدہ کے اندر آخر آپ کو نیند کیسے آئی ؟ .مولانا نے جواب دیا: بہت ہی میٹھی نیند آئی ؛ اس لیے کہ میں کھری چارپائی اور گرمی میں سونے کا عادی ہوں۔

یہ سن کر نظام دکن کی نگاہ میں مولانا کی قدر و منزلت مزید دو چند ہوگئی۔ اور شاہی کتب خانہ اُن کے لیے کھلوادیا۔(۱)

مولانا خود اپنی کتاب 'تذکرۃ العلوم' کے دیباچے میں علم و ہنر کے تئیں اپنی شیفتگی اور فضل وکمال کے حصول کی خاطر اپنی دیوانگی کا حال یوں بیان کرتے ہیں :

'میں اِبتداے سن شعور سے اَب تک علم کے نفائس کی طلب میں پریشان اور اُس کی اشاعت میں سرگرداں وآشفتہ خاطر رہا، اور دنیا کے سرمائے مہیا کرنے میں اِسی مشغولی کی وجہ سے ہمیشہ قاصر تھا بالفعل طبیب والا شان حکیم واصل خان سلمہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ رام پور کے مشہور کتب خانے کے دیکھنے کے شوق میں دارالریاست تک پہنچا، اور کتب خانے کی سیر کی دولت مجھ کو میسر آئی۔ دیکھا تو ایک بحر بے کراں ہے جس سے علوم وفنون کی صدہا نہریں جاری ہیں، یا روضۂ جنان ہے رنگا رنگ دل پسند چمنوں کو حاوی'۔(۲)

تحصیل علوم وفنون کے بعد مولانا نے مسند تدریس کو زینت بخشا۔ خداے بخشندہ نے آپ کو تفہیم کا وہ ملکہ عطا فرمایا تھا کہ مشکل سے مشکل بحثیں وہ پانی کر کے طلبہ کو سمجھا دیا کرتے تھے۔ نیز طلبہ کے ساتھ آپ کی خصوصی شفقت نے اچھے اچھوں کو آپ کی

(۱) عباسیانِ چریا کوٹ، قلمی: ۴۵ تا ۴۶ بتغیر قلیل۔

(۲) ذخر المعارف تذکرۃ العلوم، مولانا فاروق عباسی چریا کوٹی: ۳۔

درس گاہِ علم وفضل سے باندھ رکھا تھا، بلکہ مولانا نے طلبہ کے لیے دینی علوم کی قدر و قیمت جتانے اور ان کی دلچسپی بڑھانے کی غرض سے امام شافعی علیہ الرحمہ کے کہے ہوئے معروف قصیدے (☆) کی زمین میں ایک عربی قصیدہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ یہاں اس کے چند اشعار مع ترجمہ پیش کیے جاتے ہیں ۔

بِفَخِّ الْجَهْدِ يُقْتَنَصُ الْمَعَالِي ۞ وَخَاضَ الْبَحْرَ مَنْ طَلَبَ اللَّآلِي

مَنِ اقْتَحَمَ الْعِقَابَ وَخَاضَ غَمْرًا ۞ فَلاَ يَخْشَى الْوُعُورَ وَلاَ يُبَالِي

وَمَنْ طَلَبَ الدُّنَا وَرَجَا فَلاَحاً ۞ أَرَادَ السَّعْيَ فِي طُرُقِ الْمُحَالِ

هَنِيْئًا لِلَّذِيْ جَابَ الْمَوامِي ۞ وَ رَامَ رُقِيَّ أَعْلاَمِ الْكَمَالِ

عَلىٰ ظَهْرِ الْخُيُولِ يُقِيْمُ يومًا ۞ وَأَيَّاماً عَلىٰ قَتَدِ الْجِمَالِ

وَكَمْ بَحْرٍ يَسِيْحُ بِغَيْرِ زَادٍ ۞ وَكَمْ أَرْضٍ يَجُوْبُ بِلاَ انْتِعَالِ

تَحَامىٰ زَهْرَةَ الدُّنْيَا نُفُوْراً ۞ وَأَنْكَرَ جَمْعَ مَالٍ وَّالْمَوَالِي

وَدَامَ مُعَاقِراً كُرَبَ الرَّزَايَا ۞ وَعَاشَ مُوَاظِبًا سَهرَ اللَّيَالِي

مِنَ الأَظْعَانِ مَنْ طَابَتْ سُرَاهُمْ ۞ إِلىٰ أَخْذِ الْعُلُوْمِ مِنَ الرِّجَالِ

رِجَالٌ عَارِجِيْنَ ذُرَى التَّسَامِي ۞ بِأَقْدَامٍ عَلَتْ قُلَلَ التَّعَالِي

فَنَالُوْا مَنْزِلاً وَّلَقَدْ تَرَقَّوْا ۞ إِلىٰ مَا لاَ يُنَالُ مِنَ الْمَنَالِ

فَشَادُوْا الدِّيْنَ مِنْ لَسَنٍ فَخِلْنَا ۞ لِسَانُهُمُ مِنَ الْقُضْبِ الصِّقَالِ

وَصَانُوْا الْحَقَّ بِالأَدَبِ الْيَمَانِي ۞ بِأَحْسَنِ مَا يُصَانُ مِنَ الْعَوَالِي

فَنَشْكُرُ رَبَّنَا مولَى الْبَرَايَا ۞ بِمَا مَلأَ الْوِفَاضَ مِنَ النَّوَالِ

أَلاَ يَا مَعْشَرَ الطُّلاَّبِ فُوزُوْا ۞ لِسَعْدٍ لَيْسَ فِيْهِ مِنَ الْوَبَالِ

وَ أَمَّا عِيْشَةُ الدُّنْيَا فَنَومٌ ۞ وَلَذَّتُهَا لَنَا فَيْءُ الزَّوَالِ

فَطُوبیٰ لِلَّذِيْ لِلدِّيْنِ يَسْعیٰ ۞ وَ يَأبَی الْكُثْرَ يَقْنَعُ بِالْقِلاَلِ ☆

یعنی جدوجہد اور تگ ودو کے دام سے سربلندیاں شکار کی جاتی ہیں، اور موتیوں کے طلب گار کو سمندر کھنگالنا پڑتا ہے۔

جو خود کو دشوار گزار گھاٹیوں میں ڈال دیتا ہے اور (ہمت کر کے) سمندر میں کود پڑتا ہے، پھر اسے کلفت وآلام کی کوئی پروانہیں ہوتی۔

جس نے دنیا طلب کی اور ساتھ ہی فلاح ونجات کا آرزومند رہا، سمجھ لو اس نے ناممکن راہوں پر جادہ پیائی کی کوشش کی۔

مبارک بادی ہے کہ اس کے لیے جس نے لق ودق صحرا طے کیے اور منارہاے فضل وکمال کی بلندیوں کو اپنے قبضے میں کرلیا۔

(لیکن اس کے لیے) وہ کبھی گھوڑوں کی پشت پر سوار ہوتا ہے اور کبھی کجاوے میں محوِ سفر ہوتا ہے۔

نہ معلوم کتنے دریا اس نے بلا زادِراہ پار کر لیے اور نہ معلوم کتنی زمینیں اس نے ننگے پاؤں طے کرلیں۔

وہ دنیا کی رونق وشادابی سے نفرت کی حد تک پرہیز کرتا ہے، اور مال ومنال کی ذخیرہ اندوزی سے گریز کرتا ہے۔

وہ مصائب وآلام کی کونچیں برابر کاٹتا رہتا ہے اور شب بیداری کی مداومت پر کاروانِ زندگی آگے بڑھاتا رہتا ہے۔

(☆) بقدر الكد تكتسب المعالي ...... ومن طلب العلا سهر الليالي
ومن رام العلا من غير كد ...... أضاع العمر في طلب المحال
تروم العز ثم تنام ليلا ...... يغوص البحر من طلب اللآلي ☆

☆ دیوان امام شافعی: ۹۰/۱...... مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان فی معرفۃ حوادث الزمان: ۲۶/۲...... دواوین الشعر العربی علی مر العصور: ۲۵۰/۹۔ جب کہ بعض اہل علم نے ان اشعار کا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی طرف انتساب کیا ہے۔ سر العالمین وکشف ما فی الدارین: ۹/۱۔ -اللہ ورسولہ اعلم-

کچھ ایسے مسافرانِ شوق ہیں جو ماہرین فن سے تحصیل علوم وفنون کی خاطر راتوں کو شاندار سفر کرتے ہیں۔

یہ وہی لوگ ہیں جو پرشکوہ چوٹیوں پر چڑھنے والے قدموں کے سہارے بالائیوں کے نقطہ عروج کو چھو لیتے ہیں۔

سواُن لوگوں نے جادۂ مقصود کو پالیا، اوران منزلوں تک رسائی حاصل کرلی جو کوشش وکسب سے ناممکن تھی۔

انھوں نے فصاحت اور زبان آوری کے ذریعہ دین کو اتنا سربلند کیا کہ ہمیں محسوس ہونے لگا کہ ان کی زبان مانجھی ہوئی شمشیر براں ہے۔

ان لوگوں نے ادبِ یمانی کے ذریعہ صیانت حق کا کماحقہ اور باحسن وجوہ فریضہ سرانجام دیا۔

تو ہم اپنے پروردگار اور ساری مخلوق کے آقا کے شکر گزار ہیں جس نے ہمارے کشکول اپنی عطاونوال سے لبریز کردیے۔

تو سنو، اے گروہِ طالباں! ایسی سعادت وفیروزبختی تمہارا مقدر بننے والی ہے جس میں وبال وزوال نام کی کوئی چیز نہیں۔

دنیاوی زندگی محض نیند کا ایک جھونکا ہے اوراس کی لذت ہمارے لیے سایۂ زوال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

لہٰذا خوش خبری ہے اس کے لیے جو دین کی تحصیل میں کوشاں رہتا ہے اور زیادہ کو چھوڑ کر تھوڑے پر قناعت کرتا ہے۔(۱)

کہا جاتا ہے کہ مولانا فاروق پر علمی ذوق اس قدر غالب تھا کہ سخت سے سخت دنیاوی کش مکشوں میں بھی آپ تعلیم وتعلّم کا سلسلہ منقطع نہ ہونے دیتے، اورتشنگانِ علوم وفنون کو

(۱) الخطب الحنفیۃ فی المواعظ الحسنۃ البہیۃ: ۴۷، ۴۸۔ مطبوعہ انوارِ احمدی، الہ آباد۔

بہر حال سیراب کرتے رہتے تھے۔ عالم یہ تھا کہ تمام مسائل علمیہ میں مجتہدانہ شان رکھتے۔ اور جب کوئی کتاب پڑھاتے تو عموماً مصنف کی فروگزاشتوں سے تعرض ضرور کیا کرتے تھے۔ ان کے فیض درس سے بڑے بڑے عباقرۂ علم متمتع ہوئے۔ مولانا کی شانِ تدریس اور علمی تبحر کا قصیدہ پڑھتے ہوئے مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی رقم طراز ہیں :

'مولانا فاروق باہمہ آزادی بہت سے ایسے اوصاف کے جامع تھے جو آج طبقۂ اساتذہ میں کمیاب ہیں۔ خاص جوہر یہ تھا کہ شاگرد کے دل میں علم کا ذوق پیدا کردیتے تھے۔ طلبہ کو کتاب کا کیڑا نہیں بناتے تھے بلکہ علم کا جویا اور شائق بنادیتے تھے۔ فنونِ معقول وادبیات میں کامل ماہر تھے۔'(۱)

آپ بہت دنوں تک شیرازِ ہند کے شہرۂ آفاق اِدارہ 'مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور' میں صدر مدرس کے منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ آپ کے حلقہ درس کی شہرت سن کر دور دراز مقامات سے تشنہ کامانِ کمال آتے اور آپ کے چشمہ رحمت اور آبِ زلالِ علم وفیض سے سیراب ہوکر جاتے تھے۔ علامہ شبلی نے ابتدائی دور میں آپ سے یہاں بھی استفادہ کیا تھا۔ یہاں کے بعد آپ نے شبلی نعمانی کے والد شیخ حبیب اللہ کے قائم کردہ مدرسہ عربیہ اعظم گڑھ میں بھی کچھ فریضہ تدریس انجام دیا تھا، اور وہاں بھی شبلی خوشہ چینی کرتے رہے۔

اس سلسلے میں ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ کمالاتِ علمی کے علاوہ فارسی، عربی اور اُردو شاعری کا ذوق مولانا فاروق کا خاندانی جوہر تھا اور علامہ شبلی میں بھی فطری شاعرانہ عظمتیں مخفی تھیں، تو اس اتحادِ مذاق نے متعلّم ومعلم کے ربط معنوی کو اور قوی کردیا اور بالآخر شاگرد کی کشش خود اُستاد کو اعظم گڑھ کھینچ لائی۔

اے ذوقِ تشنگی میں ترے جذب کے نثار
آتے ہیں خود وہ ہاتھ میں ساغر لیے ہوئے

---

(۱) مقالاتِ شروانی (یعنی مضامین نثر کا مجموعہ):۱٦۸۔ مطبوعہ شروانی پرنٹنگ پریس، علی گڑھ

آپ نے سہسرام کے مدرسہ خانقاہ کبیر یہ میں بھی مدرسی کے فرائض انجام دیے، یہ مدرسہ اس دورودیار کا مانا جانا مدرسہ تھا، اور عبا قرۂ روزگار و اُساتذۂ نامدار کی چھاؤنی تصور کیا جاتا تھا۔ مشاہیر علما وفضلا اس اِدارے کی یادگار ہیں۔ نیز آپ ندوہ میں ادیب اوّل اور صدر مدرس کے منصب پر بھی فائز رہے؛ تاہم جہاں بھی رہے علم وکمال کا فیض بانٹتے رہے اور باذوق طلبہ کی توجہ کا مرکز بنے رہے۔

آپ کی زندگی میں ایک ایسا دور بھی آیا جب درس وتدریس کی خدمت ترک کر کے آپ نے بلیا میں وکالت شروع کردی، تاہم یہ سلسلہ جلد ہی ختم ہوگیا اور آپ دوبارہ مسند تدریس کو زینت بخش کر تشنگانِ علوم ومعرفت کی سیرابی میں ہمہ تن جٹ گئے۔(۱)

غالباً مدرسہ فیض عام کانپور میں بھی آپ نے اپنا فیض علم وکمال لٹایا ہے۔ مولانا جلال الدین احمد ابن الفاضل الادیب محی الدین نے الخطب الحنفیہ فی المواعظ الحسنۃ البہیہ کے اخیر میں جو آپ کی مختصر سوانح قلم بند کی ہے اس سے اس کا کچھ اشارہ ملتا ہے۔ واللہ اعلم (۲)

مولانا کے سحابِ علم وکمال کے چھینٹے غیر منقسم ہندوستان کے چپے چپے پر تو پڑے ہی، فرنگی محل کا مشہورِ زمانہ دبستانِ علمی بھی اس آفتاب کی کرنوں کا مرکز ومہبط رہا ہے۔ کئی نامور علماے فرنگی محل آپ کے دامن اِستفادہ سے لپٹے نظر آتے ہیں: مثلا مولانا عبدالباری فرنگی محلّی، مولانا عبدالاحد شمشاؔد فرنگی محلّی، مولانا عظمت اللہ فرنگی محلّی اور مولانا عزت اللہ فرنگی محلّی وغیرہ۔ (تفصیل کے لیے تذکرۂ علماے فرنگی محل دیکھیں)

خطہ مبارک پور جو اپنے علم اور علما کی وجہ سے دیارِ پورب میں ایک منفرد مقام اور ایک مستقل دبستان کی حیثیت رکھتا ہے اس کے نوابغ رجال اور اساتذۂ روزگار کا سلسلہ فیض

---

(۱) ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، جون ۱۹۹۵ء ص:۴۳۹ تا ۴۴۰...... ماہنامہ نگار، جنوری، فروری، ۱۹۵۵ء، مدیر نیاز فتح پوری...... غازی پور کا اَدبی پس منظر: ۱۷۰۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے: الخطب الحنفیہ فی المواعظ الحسنۃ البہیہ: ص ۵۰ مطبوعہ انوارِ احمدی الٰہ آباد۔

واِستفادہ بھی اسی عبقریِ زمانہ کے دامن سے وابستہ نظر آتا ہے۔ (تفصیل کے لیے تذکرۂ علماے مبارک پور دیکھیں)

مولانا کی تعلیم و تدریس دونوں جداگانہ حیثیت کی حامل رہی ہے۔ آپ جو کچھ پڑھاتے تھے عملی طور پر پڑھاتے تھے اور اس کی مشق کراتے تھے، صرف ونحو، ادب وعروض، اور منطق وفلسفہ ہر ایک فن میں آپ کا یہی طرز تھا۔ دوسری خصوصیت یہ تھی کہ آپ کتاب کے لفظوں کے پابند نہ تھے یعنی کتاب نہ پڑھاتے تھے بلکہ اس فن کے مسائل پڑھاتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ طالب علم، فن پر قابو پالیتا تھا......۔

بلاشبہہ مولانا فاروق دریاے علوم ومعارف کے عظیم شناور تھے، اور علم واَدب کے میدان میں انھیں مسلم الثبوت ہیرو تسلیم کیا گیا ہے۔ آپ کی عظمت شان کے یوں تو بڑے بڑوں نے قصیدے پڑھے ہیں؛ لیکن اس ضمن میں مولانا ابوالخیر محمد جان بحری آبادی کا پڑھا ہوا قصیدہ بڑا معرکۃ الآرا ہے، موقع کی مناسبت سے اس کے چند اشعار یہاں نقل کردینا خالی اَز فائدہ نہ ہوگا۔

کرتا فردوسؔی وطوسیؔ بھی بلاشک تحسین ✿ خوبی بخت سے پاتا جو زمانِ فاروق

جس جگہ وہم فلاطوںؔ بھی نہ پہنچا زنہار ✿ پہنچا سو بار وہاں وہم وگمانِ فاروق

نکتہ وہ کون ہے جو ان پہ نہیں ہے روشن ✿ رمز وہ کیا ہے نہیں ہے جو عیانِ فاروق

ملک تدریس کی شاہی انھیں حاصل ہے مگر ✿ اُڑ رہا ہے جو ہر اک سمت نشانِ فاروق

عقدۂ مشکل ہر فن کو کیا کیسا حل! ✿ ناخن حل معاقد ہے بیانِ فاروق

دست طولیٰ انھیں ہر فن میں ہے ایسا حاصل ✿ سینکڑوں مسئلے ہیں نوکِ زبانِ فاروق

فیض سے اپنے کیا بہرہ ور اک عالم کو ✿ خوانِ یغما کوئی ہے یا کہ ہے خوانِ فاروق

الغرض! ان کے کمالات کہاں تک ہوں بیاں ❁ جو ثنا کیجے وہ ہے لائق شانِ فاروق ☆

مولانا فاروق کے طریقہ تعلیم اور اندازِ تدریس کا نقشہ کھینچتے ہوئے مولوی نجم الہدیٰ صاحب لکھتے ہیں :

'قصیدہ بردہ اور دیوان ابوالعتاہیہ کے اسباق میں جب کوئی نیا محاورہ یا فعل آجاتا جس کے مختلف صلات سے معنی میں تبدیلی ہوتی تو درس کے بعد مولانا فاروق ان محاورات اور افعال کی مختلف طریقوں سے مشق کراتے، کبھی اُردو فقرے عربی میں ترجمہ کرنے کے لیے دیتے جس میں ان افعال وصلات کا استعمال ہوتا، کبھی اپنی طرف سے عربی جملے اُردو میں ترجمہ کرنے کو کہتے۔ اس طرح نئے عربی محاورات وافعال کی آپ مشق کراتے رہتے' ......' موصوف اشعار جاہلیت اور کلام پاک کی آیتوں سے عربی کے طرز بیان، طرز اَدا، موقع شناسی اور مخاطب کی صلاحیت کے موافق طرزِ کلام کی نوعیت کو سمجھاتے اور اس کا فرق بتاتے تھے'۔(۱)

ندوہ کے ایک اُستاد مولانا حبیب الدین نے مولانا کی کتاب 'ذخر المعارف تذکرۃ العلوم' پر ایک جاندار تقریظ لکھی ہے، جس کے ایک مقام پر رقم طراز ہیں :

'(مولانا فاروق چریا کوٹی) فارسی وعربی کی نظم ونثر میں سلف کے ہم پلہ ہیں۔ اس زمانے میں شفاے شیخ، شرحِ اِشارات اور حاشیہ قدیمہ وغیرہ کتابیں آپ ہی کے درس میں نظر آتی ہیں۔ فنونِ ریاضی میں مناظر واکر وغیرہ آپ ہی کے درس سے اس وقت زندہ ہیں۔ چنانچہ اس وقت بھی جس

☆ مسدس فاروقی: ۳۳۔ مطبوعہ اصح المطابع، محمود نگر، لکھنؤ۔

(۱) سید سلیمان ندوی، حیات اور اَدبی کارنامے، ڈاکٹر سید محمد ہاشم: ۵۸۔

کا جی چاہے علوم مختلفہ کے دقائق آپ سے زبانی دریافت کرلے‘۔(۱)

سید سلیمان ندوی اس کا اِعتراف یوں کرتے ہیں :

’ہندوستان کی مشہور ہستی یعنی مولانا فاروق چریاکوٹی اپنے زمانے میں اَدب ومعقولات کے امام تھے۔ان کی خاص چیز ان کے پڑھانے کا طریقہ تھا۔وہ جو کچھ پڑھاتے تھے عملی طور سے پڑھاتے تھے،اوراس کی مشق کراتے تھے۔صرف ونحو،اَدب وعروض منطق وفلسفہ ہر ایک فن میں ان کا یہی طرز تھا۔

دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ کتاب کے لفظوں کے پابند نہ تھے،یعنی کتاب نہیں پڑھاتے تھے بلکہ اس فن کے مسائل پڑھاتے تھے،جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ طالب علم فن پر قابو پالیتا تھا......ان کے طرزِ تعلیم نے میری آنکھوں سے پردے ہٹا دیے، اور وہ مسئلے جو پہلے اُستادوں کے سمجھانے سے سمجھ میں نہیں آئے تھے وہ روزِ روشن کی طرح نظر آنے لگے۔ یہ پہلی شخصیت تھی جس نے میرے دل ودماغ پر اَثر ڈالا‘۔(۲)

ایک مرتبہ مرزا غلام احمد قادیانی کی ایک عربی نظم شائع ہوئی،جن کے بارے میں غیر معمولی فصاحت وبلاغت کا دعویٰ کیا گیا تھا۔سید سلیمان ندوی نے اس نظم کو مولانا فاروق کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اس کی تمام ادبی خامیوں اور نقائص ومعایب کا جائزہ لے کر اس کا زبردست پوسٹ مارٹم کیا۔(۳)

---

(۱) ذخرالمعارف تذکرۃ العلوم،آخری صفحۂ تقریظ۔

(۱) حیاتِ سلیمان،شاہ معین الدین ندوی:۱۶۔بحوالہ معارف، جولائی:۱۹۵۰ء......سید سلیمان ندوی، حیات اور اَدبی کارنامے،ڈاکٹر سید محمد ہاشم:۶۰۔

(۲) سید سلیمان ندوی،حیات اور اَدبی کارنامے،ڈاکٹر سید محمد ہاشم:۵۹۔

شبلی کی طرح سید سلیمان ندوی بھی مولانا فاروق کے قدیم ریزہ خواروں میں ہیں۔ اور جی بھر کے ان سے استفادہ کیا ہے۔ان لوگوں کے علم واَدب کا اگر دقت نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس میں مولانا فاروق ہی کے دقائق ولطائف کی کرم فرمائی دکھائی دے گی۔ کہا جاتا ہے کہ سید سلیمان ندوی عام اَسباق کے علاوہ فارغ اوقات میں بھی مولانا سے استفادہ کرتے ،مختلف مسائل پر بحث ومباحثہ کوغور سے سنتے اوران کے غامض ادبی نکات کووہ اپنی لوحِ ذہن پر محفوظ کر لیتے تھے۔اس طرح اُن کے اندر اَدبی ذوق خوب پیدا ہوگیا۔ان کی اس لگن اور شغف کو دیکھ کر مولانا فاروق نے بھی ان پر خصوصی نگاہِ توجہ ڈالی ،اور انھیں 'قیس' کالقب عطا کیا۔'نقوشِ سلیمانی' میں 'عطرِ سخن' کے تحت اس کا اعتراف یوں موجود ہے :

> 'مولانا محمد فاروق چریاکوٹی رحمۃ اللہ علیہ مولانا شبلی علیہ الرحمہ کے اُستاذ کل تھے،اور مجھے بھی ان سے عربی اَدب وشعر اور منطق میں تلمذ کا فخر حاصل ہے۔ گرچہ خوردیم نسبتیست بزرگ ÷ ذرۂ آفتاب تابانیم
>
> جب میں نے شروع شروع عربی میں شعر کہنا شروع کیا اور اِصلاح کی غرض سے اُستاد کے سامنے پیش کیا تو فرمایا: شعر کہنے سے شعر سمجھنا زیادہ مشکل ہے؛ اس لیے خود شعر کہنے سے زیادہ دوسروں کے شعر سمجھنے کی مشق پیدا کرو'۔(۱)

یہاں اس بات کا اعتراف بھی ناگزیر ہے کہ آگے چل کر شبلی نے جس پودے کو برگ وبار لانے کے قابل بنایا اصلاً اس کی آبیاری اور پرورش مولانا چریاکوٹی نے ہی کی تھی، جس کے بغیر شبلی کے لیے یہ سب کچھ ممکن نہ تھا؛ اس لیے سید صاحب کی شخصیت کی تشکیل وتعمیر میں جہاں مولانا شبلی کا بہت بڑا ہاتھ ہے وہاں مولانا چریاکوٹی کا بھی ناقابل فراموش کردار رہا ہے اور شبلی کا فیض بھی دراصل بالواسطہ طور پر مولانا موصوف کا ہی فیضان تھا؛ کیوں کہ شبلی کو'علامہ شبلی نعمانی' بنانے والے کا نام بھی مولانا محمد فاروق چریاکوٹی ہے۔

---

(۱) ماہنامہ تہذیب الاخلاق علی گڑھ:ص ۵۸۔جون،۲۰۱۱ء،مضمون نگار: محمد منتصر عباسی گورکھ پوری۔

علامہ فاروق وشبلی - ایک تجزیاتی مطالعہ

عہد قدیم سے اعظم گڑھ فکر وفن، علم و ہنر، دین ودانش، اور شعر واَدب کی آماجگاہ رہا ہے۔ اس کی کوکھ سے بے شمار اہل اللہ، اصحاب فضل وکمال اور ارباب فکر ودانش نے جنم لیا جن کی علمی وفکری اور روحانی کاوشوں سے یہ خطہ رشک یونان وشیراز بنا رہا۔ تاریخ شاہد ہے کہ تحقیق وتدقیق، تصنیف وتالیف، تعلیم وتدریس، سیاست وتمدن، معیشت ومعاشرت غرض علوم وفنون کے مختلف شعبوں میں ضلع کے مردم خیز قصبات ومواضعات سے ایسے اشخاص اُٹھے جن کی رخشندگی سے آسمانِ علم وفن اب تک منور وتاباں ہے۔ انھیں نامور مواضعات میں ایک مشہور موضع چریاکوٹ بھی ہے۔ اس خاک نے ایسے نابغہ دہر اور نادرِ روزگار علما وفضلا پیدا کیے ہیں جن سے کوئی سات صدیوں تک برابر علم وفکر کی آبیاری ہوتی رہی، اور حکمت وہنر کی برہم زلفوں کو سنوارا جاتا رہا۔ اسی خاک کے ایک پروردہ علامہ شبلی نعمانی بھی ہیں جنھیں علامہ فاروق عباسی چریاکوٹی کے دامن اِستفادہ سے لپٹ کر معراجِ علم وکمال تک پہنچنا نصیب ہوا۔

علامہ اِقبال سہیل کے بقول 'اَدبیات کا مذاقِ صحیح اور نقد واجتہاد کا ملکہ جو علامہ (شبلی) مرحوم کے کمالِ علمی کا سب سے زیادہ نمایاں جوہر ہے اس کی اِبتدائی نشو ونما مولانا فاروق ہی کی تربیت کا فیض تھا۔ علامہ گویا جونپور کے صحیفہ کمال کی آخری آیت تھے، اس کے بعد علومِ مشرقیہ کی بزم ہی برہم ہوگئی اور دورِ فلک نے وہ نظام ہی فنا کردیا جس سے اب پھر ایسے جواہر ریزوں کے چمکنے کی توقع کی جاسکے'۔ (۱)

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ مولانا فاروق ہندوستان میں علم وادب کے ایک مسلم الثبوت اُستاد ہیں، اور علم وادب سے یہ دلچسپی اور ادیبانہ رنگ آپ کے شاگردِ خاص شبلی نعمانی کو

(۱) سیرتِ شبلی ملخصاً، از علامہ اقبال احمد خان سہیل: ۱۲۔ مطبوعہ، دارالمصنّفین، اعظم گڑھ، ۲۰۱۴ھ

بطورِ خاص ملا؛ کیوں کہ مولانا ہی کے دامن فیض میں اُن کی آنکھیں کھلیں، اور انھیں کے خرمن کمال کے خوشہ چیں ہو کر باکمال بنے؛ اس لیے میرے خیال میں مولانا فاروق عباسی کا یہ تذکرہ شاید آپ کے اس خوشہ چین شبلی نعمانی کے مختصر ذکر کے بغیر یک گونہ تشنہ تصور کیا جائے۔ مزید یہ کہ شبلی کے ساتھ آپ کے تعلقات محض اُستاذانہ نہیں بلکہ مختلف الجہات ہیں۔ اور کمال کی بات یہ ہے کہ جس طرح شاگرد کو اپنے اس مایۂ ناز اُستاد و مربی پر فخر و ناز تھا، یوں ہی اُستاد بھی ایسے ہونہار و بلند اقبال شاگرد پر نازاں اور سو جان سے فدا تھا۔

سید سلیمان ندوی نے علامہ شبلی کے حالاتِ زندگی کے باب میں مولانا فاروق چریاکوٹی کے تعلق سے 'معارف' جلد ا، نمبر ۲، اعظم گڑھ میں سیر حاصل بحث کی ہے جس سے ایک طرف اُستاد و شاگرد کا تعلق نکھر کر سامنے آتا ہے تو دوسری طرف مولانا فاروق کی قامت علمی کا بھی اندازہ ہوتا ہے :

> 'غازی پور میں ایک 'چشمہ رحمت' ہے، یہ چشمہ فیض (شبلی نعمانی) وہاں سے بھی سیراب ہوا ہے۔ مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی - جو اس عہد کے فاضل اجل اور مولانا عنایت رسول صاحب چریاکوٹی کے برادرِ اصغر تھے- وہ ان دنوں مدرسہ غازی پور کے صدر مدرس تھے۔ مولانا شبلی نے مولانا ممدوح سے نصابِ عربی کی متوسطات سے انتہا تک تعلیم حاصل کی۔
>
> مولانا فاروق چریاکوٹی' فلسفہ، منطق، ہندسہ، ادبِ عربی اور ادبِ فارسی میں خاکِ ہند کے آخری فرزند تھے۔ ان کے بعد علما میں ان فنون کے کامل شاید ہی اُٹھیں۔ مجھ کو فخر رہے گا کہ اس ہیچمدان (سید سلیمان ندوی) نے جس طرح مولانا شبلی کے دامن تربیت میں پرورش پائی اسی طرح مولانا محمد فاروق کے آغوشِ تعلیم میں بھی تین برس تک پلا ہے۔
>
> مولانا نے اس ذاتِ والا صفات کے آغوش میں معقولات کی جس حد

تک تعلیم پائی تھی، تمام ہندوستان میں اس سے زیادہ ہونا ناممکن تھا۔

مولانا فاروق کو اپنے شاگرد (شبلی) سے اس قدر انس ومحبت تھی کہ وہ خود اپنے کو بیشہ دانش کا شیر اور شاگرد کو 'بچہ شیر' کہتے تھے۔ چنانچہ استاد نے شاگرد کا سجع کہا تھا: **أنا أسد و أنت شبلي .**

مولانا (شبلی) کے رفقائے تعلیم کا بیان ہے کہ اس عہد میں مولانا فاروق کی معقولات دانی کا شور تھا۔ چنانچہ مولانا شبلی جس درسگاہ میں جاتے تھے، 'بچہ شیر' کو شیر سمجھ کر ہر طرف سے طلبہ مناظرہ ومباحثہ کے لیے ٹوٹ پڑتے تھے، اور یہ پہلوان یکہ وتنہا ہر دنگل سے فخر وغرور کے ساتھ باہر آتا تھا۔

اعظم گڑھ سے مولانا شبلی رام پور تشریف لے گئے، مولوی عبد الحق صاحب خیرآبادی کی درسگاہ میں آئے؛ لیکن مولانا فاروق چریاکوٹی کے تربیت یافتہ کو اب یہاں کیا جو ہر نظر آسکتا تھا۔ ہاں! مولوی ارشاد حسین صاحب سے فقہ کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں'۔(۱)

علامہ شبلی نعمانی خود اس تعلق سے رقم طراز ہیں :

'میں نے معقولات کی تمام کتابیں مثلاً میر زاہد، ملا جلال مع میر زاہد، حمد اللہ، شرحِ مطالع، صدرا، شمس بازغہ ان ہی سے پڑھیں اور میری تمام تر کائنات ان ہی کے اِفادات ہیں۔ فارسی کا مذاق بھی ان ہی کا فیض ہے۔ اکثر اساتذہ کے اشعار پڑھتے اور ان کے ضمن میں شاعری کے نکتے بتاتے'۔(۲)

---

(۱) ماہنامہ معارف، جلد۱، نمبر۲، ۱۹۱۷ء، ص:۱۶ تا ۱۷۔ اعظم گڑھ...... یادرفتگاں: ۲۰-۲۲، مولانا سید سلیمان ندوی۔ مطبوعہ مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی۔

(۲) شبلی نامہ، شیخ محمد اکرام: صفحہ ۲۱۔ مطبوعہ تاج آفس محمد علی روڈ، بمبئی۔

مولانا شبلی جیسے طباع تلمیذ کے لیے مولانا فاروق جیسے متبحر اُستاذ کے فیض تربیت نے سونے پر سہاگے کا کام دیا، چند ہی دنوں میں یہ جوہر قابل ایسا چمکا کہ نگاہیں خیرہ ہوکر رہ گئیں اور یہ ہونہار شاگرد اپنے اُستاذ کے لیے مایۂ ناز بن گیا۔ چنانچہ مولانا فاروق اسی زمانے میں اکثر فخریہ فرمایا کرتے تھے: أنا أسد و أنت شبلي . میں شیر ہوں اور تو شیر کا بچہ۔

شاید اس بات کا علم ہم میں سے کم لوگوں کو ہو کہ شبلی کے ساتھ 'نعمانی' کا لاحقہ بھی مولانا فاروق چریاکوٹی ہی کا عطا فرمودہ تھا جو آگے چل کر علامہ کے علَم کا جز بن کر رہ گیا۔ نیز یہ مولانا کی تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ شبلی جہاں رہے اور جس ماحول میں رہے حنفیت بلکہ غالی حنفیت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ 'سیرۃ النعمان' اصلاً اسی تعلیم کا مظہر ہے۔ اس حوالے سے سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے بڑی دوٹوک بات لکھ دی ہے :

> 'مولانا اپنی ابتدائی تحریروں میں اپنا نام محمد شبلی ہی لکھتے تھے، پھر بعد میں نام کے ساتھ نعمانی اضافہ کردیا۔ اس نسبت سے بعض لوگوں کو دھوکہ ہوتا ہے کہ وہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کی اولاد سے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مولانا ابتدا میں سخت حنفی تھے اور حنفی کہلانا اپنے لیے فخر سمجھتے تھے: اس لیے ان کے استاد مولانا فاروق چریاکوٹی نے ان کا لقب 'نعمانی' رکھ دیا، اور یہ ان کے نام کا جز بن گیا'۔ (۱)

اس سے کسی کو مجالِ انکار نہیں کہ شبلی نعمانی' تصنیف وتحقیق کی دنیا کا ایک مشہور ومسلم نام ہے۔ اُن کی قلمی ساحریت اور فکری بوقلمونیت نے دنیاے علم وتحقیق کو بہت سی نئی جہتوں سے آشنا کیا ہے، اور تحقیق وتدقیق کے نئے آفاق مسخر کرنے کا شعور دیا ہے؛ لیکن اس حقیقت پر شاید کم لوگ ہی مطلع ہوں گے کہ اُن کی تصنیفات وتحقیقات مدتوں مولانا

(۱) ماہ نامہ نقوش لاہور، شخصیات نمبر جلد اول: ص ۱۸۔ طبع ثانی فرید بک ڈپو، مٹیا محل، نئی دہلی ۲۰۱۴ء

فاروق کی صلاح و اِصلاح کے زیرسایہ پرورش پاتی رہی ہیں۔

بقول شبلی 'میری تمام تر کائنات انھیں (مولانا فاروق چڑیاکوٹی) کے اِفادات ہیں'۔تو یہ سلسلہ اِفادات صرف تعلیم وتدریس کے میدان تک ہی محدود نہ رہا بلکہ شبلی کی قلمی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں بھی مشفق اُستادومربی قدم بہ قدم رہنمار ہا ہے۔ ذیل میں شبلی کے نام مرسلہ مولانا فاروق چڑیاکوٹی کے دوخطوط ہمارے اِس دعوے کی تصدیق کردیں گے۔

بني! لا زالت تتجنب الغي ، قد بلغنا أمس الغابر هٰذا البلد القفر الغادر، وأقمنا قبل ذلک المقام بغازي پور عشرة أيام، والاٰن وسمعت أن كتابا منک قد رجع قهقرىٰ غير واصل إلى العبد المبتلى، وإني رأيت رسالتک ولاحظت بعين المتعمق مقالتک، الاٰن باذل قدرا من جهدي في ربط بعض شتاتها وتعبير بعض ألفاظها وكلماتها والدعاء. ١٢۔محمد فاروق من مقام بليا. دارالخليل (١)

ترجمہ: میرے عزیز بیٹے! تم گمرہی سے ہمیشہ محفوظ رہو۔گزشتہ کل ہم اس بے وفا شہر بیاباں میں پہنچے اور یہاں آنے سے پہلے دس دن غازی پور میں ٹھہرے، یہاں آکر مجھے معلوم ہوا کہ تمہارا ایک خط بندۂ گرفتار بلا تک پہنچے بغیر اُلٹا واپس چلا گیا اور میں نے تمہارا رسالہ دیکھا اور گہری نظر سے تمہاری تحریر کا مطالعہ کیا۔اب میں تھوڑی سی محنت کرکے کہیں کہیں اس کی بے ربطیوں کوٹھیک کروں گا اور بعض جگہ الفاظ وکلمات کو بھی درست کروں گا۔دعا۔فقط محمد فاروق۔ ازمقام بلیا، دولت خانہ محمد خلیل۔

---

(١) ماہنامہ معارف، جون ١٩٨٨ء ص:٤٧٣ بحوالہ علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط:٥٦۔اعظم گڑھ.

بسم اللّٰہ ، قرة عيني كشف اللّٰہ وأزاح بعدا بينک وبيني، اليوم قد بلغني كتابک ووقفت علىٰ ما حوى به خطابک فقر عيني وسر بالي و رخص عني درن كآبتي وملالي، بارک اللّٰہ لک في الأدب والمآل وزادک بركة في محاسن الأعمال، وما سألتني عن حالي وبزي الخلق البالي، فقضيتي التي كانت بيني وبين البغيض الخنفع دائرة لم تختم الاٰن، اللّٰهم انصرني عليه واجعل منک عليه دائرة، لعل اللّٰہ يجب دعوتي ويقضي وطري فيما يأتي من الأسبوع، ثم أحاول إن شاء اللّٰہ تعالىٰ إلى وطني الرجوع لو أخذت الفطانة بيديک اشتريت الحاشية وتركت الشرح الذي كان حاصلا لديک، الهوادي جمع هادٍ بمعنى نصل السهم، العبارة الصحيحة سنان الهوادي.
والدعاء، العبد المذنب الخاطئ العاصي محمد المدعو بالفاروق الحنفي العباسي. ١٢/ربيع الأول من إلٰہ آباد .(١)

ترجمہ: میری آنکھوں کی ٹھنڈک! خدا تمھارے اور میرے درمیان کی دوری کو ختم کرے۔ آج کے دن تمھارا خط میرے پاس پہنچا اور تمھارے پیغام میں جو باتیں تھیں ان سے مجھے آگاہی ہوئی، اس سے میری آنکھ کو ٹھنڈک ملی، میرے دل کو خوشی حاصل ہوئی اور حزن وغم کا میل ڈھل گیا۔ اللہ تمھارے اَدب و مال میں برکت دے اور تمھارے نیک اعمال میں اَفزونی ہو۔ تم نے میرا حال دریافت کیا ہے اور میری خستگی و پریشانی کے متعلق پوچھا ہے تو سنو، جو مقدمہ میرے اور نابکار

(١) ماہنامہ معارف، جون ١٩٨٨ء ص:٤٦٨-٤٧٠۔ بحوالہ علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط: ٥٣-٥٤۔ اعظم گڑھ۔

دشمن (۱) کے درمیان چل رہا ہے تھا وہ ابھی ختم نہیں ہوا۔ اے اللہ! تو اس کے مقابل میری مدد کر اور اس پر اپنی طرف سے مصیبت نازل فرما۔ شاید اللہ تعالیٰ میری دعا قبول فرمائے اور اگلے ہفتے میں میری مراد پوری کرے۔ اس کے بعد میں ان شاء اللہ اپنے وطن لوٹنے کا قصد کروں گا۔ سمجھ داری یہ ہوتی کہ حاشیہ لے لیتے اور تمھارے پاس جو شرح ہے اسے چھوڑ دیتے۔ ہوادی، ہاد کی جمع، بمعنی تیر کا پھل ہے۔ صحیح عبارت سنان الھوادی ہے۔ دعا۔ بندۂ گنہ گار، خطا کار، عصیاں شعار: محمد فاروق حنفی عباسی ۔۱۲؍ربیع الاوّل۔ ازالہ آباد۔(۲)

گویا بخششِ خداوندی کے بعد شبلی نعمانی کی قاموسی شخصیت کی تشکیل میں سب سے زیادہ مولانا فاروق کا ہاتھ ہے۔ معقولات کی طرف رجحان ہو یا فارسی شاعری کا ذوق یہ سب ان ہی کے عطیات ہیں۔ شبلی نعمانی کے مکتوب الیہ محمد سمیع کے نام مرسلہ ایک خط میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ’میں نے استاذ گرامی حضرت مولانا فاروق صاحب سے عرض کیا تھا کہ میرا فارسی کلام کسی قدر چھاپا جائے گا، اس واسطے اگر آپ اس کو دیکھ لیں تو بہتر ہو۔ چنانچہ حضرت موصوف نے منظور فرمالیا‘۔

ان مکاتیب وخطوط کی روشنی میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سفر وحضر بہر جا شبلی نعمانی کا علمی وقلمی سلسلہ اِستفادہ مولانا کے ساتھ منقطع نہ ہونے پایا تھا اور مغلق مقامات کی تحلیل میں وہ مولانا فاروق کو مستند مرجع اور حرفِ آخر سمجھتے تھے۔

شبلی کے معروف سیرت نگار شیخ محمد اکرام‘ مولانا فاروق کی صفت معقولیت کے جوہر کو نکھارتے ہوئے، شبلی کے اِستفادے کی نوعیت کو اُجاگر کرتے ہوئے نیز اُستاد وشاگرد کی کچھ مشترکہ صفات کو بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں :

---

(۱) دراصل مولانا فاروق چریا کوٹی کے نجی مکان پر کسی بدطینت شخص نے دعویٰ کر دیا تھا، تو یہاں اسی مقدمہ کا بیان مولانا نے کیا ہے، جس میں بالآخر انھیں کامیابی نصیب ہوئی، اور دشمن خاسر ہوا۔

(۲) شبلی کی آپ بیتی: ۲۸ تا ۲۹ ـ مطبوعہ دارالمصنّفین، اعظم گڑھ، ۲۰۱۴ء

’مولانا فاروق ایک بوقلموں شخصیت کے مالک اور ایک ہرفن مولا بزرگ تھے......۔ان کو معقولات سے غیر معمولی شغف تھا اور انھوں نے ہونہار شاگرد کو بڑی محنت اور محبت سے تعلیم دی۔ چنانچہ شبلی میں اگر ایک دو ایسی کوتاہیاں رہ گئیں جن سے معقولات کے مخالف ڈراتے ہیں تو معقولیوں کی ساری خوبیاں بھی ان میں موجود تھیں۔مولانا فاروق کے زیرِ اَثر ان کا ذہن بڑی ترقی کر گیا۔ خیالات میں ایک منطقی ترتیب آ گئی اور مناظروں میں حریف کو نیچا دکھانے کی اہلیت پیدا ہوگئی بلکہ طبیعت پر ایک ایسا مناظرانہ رنگ غالب آ گیا جو تمام عمر ان کی تحریر وتقریر کا مابہ الامتیاز رہا۔

مولانا محمد فاروق کی صحبت وتعلیم نے ہونہار شاگرد کے ذہن کو جِلا دے دی؛ لیکن شبلی کا وہ رنگِ طبیعت جس پر بعد میں محتاط اور متقی علما کی جماعت معترض ہوئی اس صحبت میں پرورش پاتا رہا اور شاگرد کے علاوہ اُستاد میں بھی جلوہ نما تھا۔مولانا فاروق اس زمانے کے مشہور عالم تھے؛ لیکن شبلی کی فطرت تثنویت اور بوقلمونی ان میں بھی موجود تھی۔ وہ بیک وقت مذہبی عالم اور عدالتی وکیل تھے۔ مذہبی درس گاہوں کی بھی رونق تھے اور فن موسیقی پر بھی فریفتہ تھے، شمع علم کے بھی وہ شیدا تھے اور عشقیہ شعر بھی خوب لکھتے تھے، مذہبی بحثوں میں بڑے جوش سے حصہ لیتے تھے لیکن ارکانِ مذہب کی بجا آوری میں بقول شبلی خود بے پروا تھے۔ وہ خود ایک مثنوی میں اپنی طبیعت کا نقشہ کھینچتے ہیں ؎

نمی بینی کہ طرفہ بلبلم من ✿ کزیں اعجوبہ ہر محفلم من
بر میداں نمو دم ترکتازی ✿ خواندم نامۂ ترکی وتازی
گہے ازلوح رازی خواندہ ام حرف ✿ گہے ازحرفِ تازی بستہ ام طرف

گہے اندر مقامِ لحن شیراز ❁ شدم با اہلی وسعدی ہم آواز
گہے در بزم گاہِ نغمہ سازی ❁ سخن راندم بآہنگ حجازی
حسودا! آں فروزاں گوہرم من ❁ کہ شمع من بہر بزمے ست روشن

'یعنی تم نہیں دیکھتے کہ میں کتنی عجیب وغریب بلبل ہوں بلکہ اس سے کہیں زیادہ عجوبہ میں اپنی محفل میں بن جاتا ہوں۔میدانِ (علم وتحقیق) میں میں بڑی تیز رفتاری دکھاتا ہوں اورترکی وفارسی کتابیں میرے زیرِمطالعہ رہا کرتی ہیں۔ کبھی میں امام رازی کی کتابوں سے استفادہ کرتا ہوں اورکبھی فارسی زبان سے وابستگی اختیار کرتا ہوں۔جب کبھی شیریں سخنی کا مقام آتا ہےتو میں عرفی وسعدی کا ہم آواز ہوجاتا ہوں۔کبھی میں نغمہ سازی کی محفل میں حجازی آہنگ کے ساتھ ترانہ سنج ہوتا ہوں۔اے گروہِ حاسداں! میں وہ تابندہ موتی ہوں کہ میری ہی شمع سے ہرمحفل روشن ہوتی ہے'۔

چنانچہ شاگرد پربھی یہی رنگ چڑھ گیا جو بعد میں اس کی وساطت سے طلبائے ندوہ کووراثت میں ملا'۔(۱)

مولانا فاروق اورشبلی کے درمیان تعلقات کی نوعیت محض رسم شاگردی اورتلمذانہ حدود کی پابند نہ تھی بلکہ ان دونوں میں حد درجہ دل بستگی، بے تکلفی اور مذاق کی یگانگت بھی تھی۔ایک لطیفہ سے اس دعوے کی تصدیق ہوجائے گی کہ دونوں میں بے تکلفی وآزادی کس حد تک تھی!۔

ایک مرتبہ شاگرد ننگے سر بیٹھا تھا۔اُستاد نے پیچھے سے آکر سر پر ایک ہلکی سی چپت لگائی اور مذاق وخوش طبعی سے کہا :

---

(۱) شبلی نامہ:صفحہ۲۳،۲۴،۲۶،۲۷مطبوعہ تاج آفس محمد علی روڈ،بمبئی۔

ہے گاہ چپت گاہِ خلائق یہ سر

شاگرد نے برجستہ جواب دیا :

جتنے ہیں سران پہ ہے فائق یہ سر

یوں ہی ۱۷رمئی ۱۹۰۷ء میں جب شبلی نعمانی کا پاؤں کٹا توان کے اس حادثۂ پا پر جہاں ملک بھر سے ان کے اور مخلصوں نے رباعیاں اور نظمیں لکھیں جن میں اس غمناک واقعہ کی عجیب عجیب لطیف شاعرانہ توجیہات کی گئیں ان میں سب سے زیادہ فخر کے قابل آپ کے اُستاد و مربی مولانا فاروق کی فارسی مثنوی ہے۔ جو کئی لحاظ سے اس موضوع پر کہی جانے والی مثنویوں میں منفرد و ممتاز ہے۔

آپ نے اس میں بڑے پیار اور محبت سے اپنے شاگرد کی بیمار پرسی کی ہے۔ ہماری ادبی تاریخ میں کم لوگوں کو اپنے استاذ سے اس طرح کا نذرانہ ملا ہوگا۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں ۔

اے دل افروز شمعِ علم و ہنر ✿ نورِ چشم جہان وجانِ پدر
من شنیدم کہ اندریں پرکار ✿ گشتی از دستِ روزگار فگار
آفت ناگہاں رسید بہ پائے ✿ پاے آں رہ روِ جہاں پیمائے
تیرے از چرخ خود پسند رسید ✿ شبلی ات را بہ پاگزند رسید
ایں خبر چوں بگوشِ من بہ رسید ✿ تابِ بش نفتنش زمن بہ رسید
آوخ آں پائے راہ پیمائے ✿ بسوے طیبہ گام فرمائے
ہم رہِ مصر وشام وروم برید ✿ حیف از ساق خود جدا گردید
دل بجوش آمدم بہ نوحہ گری ✿ یادِ چوں آید از تورہ سپری
گرچہ پایت زساق گشتہ جدا ✿ لیک صبرت چو کوہِ پا برجا

اے خداوند واہب اعمار ۞ دائمش بر رہِ سعادت دار (۱) ☆

یعنی اے علم وہنر کی دل افروز شمع! دنیا کی آنکھ کے نور اور اُستاد کی جان!

میں نے سنا ہے کہ اس کارخانۂ حیات میں تم زمانے کے ہاتھوں زخمی ہو گئے ہو۔

ایک ناگہانی آفت اُس پاؤں کو پہنچ گئی جس نے ساری دنیا کی زمینوں کو ناپ ڈالا تھا۔

جن تیروں کو تم نے خود پسند کیا تھا ہاے افسوس کہ انھوں نے خود تمہارے قدموں کو زخمی کر ڈالا۔

یہ خبر جب میرے کانوں تک پہنچی تو مجھ سے ضبط وتحمل کی قوت پرواز کر گئی۔

افسوس کہ جو پیر مسافت ناپتا تھا اور سوے طیبہ قدم آگے بڑھایا تھا۔

جس نے شام ومصر اور روم کی سیر کی تھی افسوس ہے کہ وہ اپنی پنڈلی سے جدا ہو گیا۔

میرا دل نوحہ گری کے لیے بے تاب ہے۔ (مگر ایسا ہوتا آیا ہے کہ) جب تیز ہوا چلتی ہے تو قدموں کو لڑکھڑا دیتی ہے۔

اگر چہ تیرے پیر پنڈلی سے جدا ہو گئے لیکن تیری استقامت پہاڑ کی طرح اپنی جگہ اَٹل ہے۔

اے زندگی دراز فرمانے والے پروردگار! شبلی کو ہمیشہ سعادت کے راستے پر گامزن رکھنا۔

---

(۱) شبلی سخن وروں کی نظر میں، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی: ۲۶۔ ناشر ادبی دائرہ، اعظم گڑھ اپریل ۲۰۱۲ء

☆ معارف، مقالہ: مولانا فاروق اور علامہ شبلی۔ جون ۱۹۶۵ء صفحہ: ۴۴۵۔

اس مثنوی کے یوں تو سارے ہی اشعار اپنا جواب آپ ہیں لیکن ایک شعر میں 'شبلی اَت' کی ترکیب سے اُستاد کے جوشِ محبت اور فرطِ لگاؤ کا اندازہ اہل ذوق بآسانی کر سکتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ مولانا فاروق عباسی فطرتاً کچھ آزاد طبع واقع ہوئے تھے، اور آپ کا یہ وصف آپ کے شاگرد شبلی میں بھی پورا پورا منتقل ہوا؛ لیکن فرق یہ ہے کہ اُستاد کی آزادیِ طبع محض طبیعت کی آزادی تک ہی محدود رہی؛ لیکن شاگرد نے اس سلسلے میں اپنے اُستاد کو بہت پیچھے چھوڑ دیا کہ اس کی آزادیِ طبع نے اسے مذہب سے بھی آزاد کردیا جس کا خمیازہ اسے زندگی میں بھی بھگتنا پڑا اور آج بھی مختلف جماعتوں کے تفسیقی و تضلیلی فتوے اس کا بک ٹٹ تعاقب کر رہے ہیں۔

یادرہے کہ اگر کوئی مولانا فاروق کی علمی و دینی شخصیت پر شبلی نعمانی کی اُستادی کے باعث انگلی اُٹھائے تو یہ بڑی نااِنصافی کی بات ہوگی؛ کیوں کہ شبلی محض علامہ چڑیا کوٹی ہی کے شاگرد نہیں بلکہ وہ دیگر معروف اَساتذۂ علم وفن کے سامنے بھی زانوے تلمذ تہ کر چکے تھے۔ مثلاً: مولانا مفتی محمد ارشاد حسین فاروقی رام پوری، مولانا عبدالحق خیرآبادی، مولانا احمد علی محدث سہارن پوری، اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری وغیرہ۔ علاوہ ازیں خانقاہِ اشرفیہ کچھوچھہ کا قلادۂ اِرادت بھی شبلی نعمانی کے گلوگیر نظر آتا ہے، یعنی وہ اشرف الاولیاء حضرت مولانا سید شاہ اشرف حسین کچھوچھوی علیہ الرحمہ (م ۱۳۰۷ھ) کے مرید و معتقد تھے، تو بھلا بتائیے اب اس کو کیا کہیے گا!۔☆

☆ دراصل حضور اشرف الاولیاء کو سیر وسیاحت بہت عزیز تھی کہ اس طرح دعوت وتبلیغ کا سنہرا موقع ہاتھ آجایا کرتا تھا۔ چنانچہ اس ضمن میں آپ نے ۱۳۰۷ھ میں خطہ اعظم گڑھ کا دورہ فرمایا، اور اس کی تفصیلات اپنے روزنامچے میں مندرج کرتے ہوئے ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ 'مرید خاص شیخ محمد شبلی نعمانی نظام آباد بندول نے دعوت کی'۔ (ان کی والدہ بھی اشرف الاولیاء کی مریدہ ومعتقدہ تھیں) حتیٰ کہ ۱۲۹۳ھ میں حضرت اشرف الاولیاء نے جب دوسری بار سفرحج وزیارت کیا تو شبلی نعمانی اوران کے والد شیخ حبیب اللہ بھی پیرومرشد کے ہم رکاب تھے۔ اس پر ریمارک کرتے......

بقول ڈاکٹر شبنم اکبر: 'مولانا فاروق صاحب چریا کوٹی کے بعد اگر کسی استاد نے شبلی نعمانی پر گہرا نقش چھوڑا تو وہ تھے مولانا فیض الحسن سہارن پوری جو کہ اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر تھے۔ شبلی کے اندر علم وادب کا صحیح مذاق انھیں کی صحبتوں سے ملا اور مرتبۂ کمال کو پہنچا۔

(کہا جاتا ہے کہ مولانا فیض الحسن اس پایہ کے ادیب تھے کہ خاکِ ہند نے کئی صدیوں میں شاید ہی کوئی اتنا بڑا 'امام الادب' پیدا کیا ہو)۔(۱)

مزید برآں تاریخ کے گلیاروں میں ہمیں ایسے بہت سے زندہ واقعات ملتے ہیں جب شاگرد نے اُستاد کے فکر ومنہاج سے بغاوت کی ہے اور اس کے قدم اُستاد کے کھینچے ہوئے خطوط سے بہت باہر نکل گئے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ بقولِ شبلی: 'میری تمام تر کائنات ان ہی کے اِفادات ہیں' لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اخیر وقت میں اُستاد وشاگرد کے یہ دیرینہ تعلقات کچھ علمی وفکری اِختلافات کے باعث خستہ وشکستہ ہوگئے تھے۔ بات اُس وقت کی ہے جب شبلی نعمانی علی گڑھ سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد ۱۹۰۵ء کے آغاز میں ندوہ آئے اور نصاب تعلیم میں ترمیم واِصلاح کی فکر اپنے ساتھ لائے۔

...بقیہ: ہوئے مولانا محمود احمد قادری اشرفی رفاقتی صاحب نے حیاتِ مخدوم العلماء میں لکھا ہے کہ 'اس سے معلوم ہوا کہ علامہ شبلی نعمانی اپنے صحیح عقائد کے دور میں خانوادۂ اشرفیہ کے اِرادت مند تھے'۔
(حیات مخدوم الاولیاء، از: مولانا محمود احمد قادری رفاقتی: ۲۸، ۶۰، ۶۶)

اس سے پتا چلتا ہے کہ مشرقی علوم وفنون کی تحصیل کے زمانہ نیز اپنے کیریئر کے آغاز میں شبلی نعمانی صحیح العقیدہ سنی اور اَفکارِ اہل سنت کے حامل تھے؛ لیکن جب مغربی فنون کی طرف التفات ہوا، اور مغربیت زدہ اَفراد سے مراسم وروابط بڑھے تو ان کے مذہب واعتقاد میں ناروا تبدیلی آگئی، اَثراتِ صحبت بد نے اپنے گہرے رنگ دکھائے اور علوم جدیدہ کی علم برداری کے نشے میں شبلی صاحب' وہ کچھ کرگئے، جن کی علماو مشائخ اہل سنت سے فیض یافتہ اس شاگرد و مرید سے ہرگز توقع نہ تھی۔ –قادری چریا کوٹی–

(۱) علامہ شبلی نعمانی نقوشِ حیات اور شاعری۔

وہ دراصل تحریک علی گڑھ سے بے پناہ متاثر ہوکر تعلیمی نصاب کی قدامت پر جدیدیت کا جامہ چڑھانا چاہتے تھے۔ اوراس سلسلے میں انھوں نے امرتسر میں وہ فارسی ترکیب بند بھی پڑھا جسے ندوہ کا منشورِ انتخابی سمجھنا چاہیے جس میں تعلیم کے قدیم اور جدید طریقوں پر بھرپور طنز اور طعنہ زنی کی گئی تھی اور اس میں ندوہ کی فوقیت بتائی گئی تھی؛ حالانکہ ندوہ خود ایک قدیم طرز کا اِدارہ تھا۔

اب دیکھیے کہ شبلی نعمانی نے قدیم طرزِ تعلیم پر جو اعتراضات کیے تھے ان کا جواب سب سے پہلے یہیں دیا گیا اور وہ بھی آپ کے قدیم و محسن اُستاد مولانا فاروق چریاکوٹی کی طرف سے۔ سید سلیمان ندوی حیاتِ شبلی میں لکھتے ہیں :

'مولانا فاروق صاحب چریاکوٹی اس وقت دارالعلوم میں مدرس اعلیٰ تھے وہ بھی امرتسر تشریف لے گئے تھے۔ واپس آئے تو شاگرد (شبلی) کے اس ترکیب بند کے ان چند شعروں سے بہت خفا تھے جن میں فلسفہ قدیم پر اور علما کی جدید فلسفہ سے بے خبری پر تعریض تھی۔

تا چہ سودت دہد آں فلسفہ عہد قدیم تا چہ سودت دہد آں ہیئت پارینہ نہاد
از عناصر سہ دشصت آمدہ اینک بہ شمار تو ہماں درگرِ دآتش و آبستی و باد

ہم لوگ اس وقت مولانا فاروق صاحب سے فلسفہ و منطق کی چھوٹی چھوٹی کتابیں پڑھتے تھے، پھر بھی وہ ہم لوگوں کے سامنے بڑے جوش سے ان ٦٣ عناصر کے نظریہ کی تردید فرماتے تھے اور سمجھاتے تھے، اور خیال آتا ہے کہ اس کے جواب میں چند شعر بھی کہے تھے'۔(١)

جس اُستاد نے کبھی بڑے فخر و ناز سے اپنے آپ کو 'عرین دانش کا شیر اور شاگرد کو بچہ شیر' کہا تھا وہی اب شاگرد کے فکر و مزاج کی تبدیلی پر طنز کرتے ہوئے خامہ سرا ہے جو قدیم

(١) شبلی نامہ: صفحہ ١١٣، ١١٤ مطبوعہ تاج آفس محمد علی روڈ، بمبئی۔

کے مقابلے میں جدید پر مسلسل طنز ہے۔

شرطِ اسلام نہ باشد کہ بہ دنیا طلبی ❁ التفاتِ تو بہ دین نبوی کم باشد
روز ما زار بود فلسفہ وہندسہ را ❁ نامہ شرح پراگندہ ودرہم باشد
رسم اسلام نہ باشد کہ بہ تحصیل علوم ❁ ہیئت وہندسہ بر شرح مقدم باشد
حل ہر مسئلہ فقہ ز یورپ طلبی ❁ شرع پیش تو زتقویم کہن کم باشد
از ابوبکر وعمر ہیچ بہ یادت ناید ❁ گرمی بزمِ تو از سیزرِ اعظم باشد
درسخن بگذرد از سیرت وشانِ نبوی ❁ ہرچہ گوئی ہمہ از گفتۂ ولیم باشد☆

یعنی اب اسلام کی شرط بالائے طاق ہے اور تیری توجہ دین مصطفوی ﷺ کی طرف کم ہوگئی ہے۔ ہمارا عہد فلسفہ اور ہندسہ کی تحصیل میں پہلے جیسے نہیں رہا اور شروح (ومتون) پراگندہ ودرہم برہم ہوگئی ہیں۔ یہ اسلام کی رسم نہیں تھی کہ علوم کی تحصیل میں ہیئت وہندسہ کو شرحوں پر مقدم رکھا جائے۔ مسائل حق کو یورپی علوم کے ذریعہ حل کرنا چاہتے ہو۔تمہارے سامنے شریعت قدیم کتابوں سے بھی زیادہ کم اہمیت رکھتی ہے۔اب ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی یادوں کا خمار تم سے اُتر گیا ہے اور تمھاری گرمی محفل قیصری سکوں پر قائم ہوگئی ہے۔تم نبی کریم ﷺ کی سیرت اور شان وعظمت کے حوالے سے باتیں کرتے ہو اور جو کچھ کہتے ہو وہ میرے ولی کی بات بنا کر پیش کرتے ہو!۔

یوں ہی شبلی نعمانی پر مولانا فاروق کے ایک علمی ریمارک کا دلچسپ واقعہ راقم الحروف کو مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری کی زبانی کئی ایک بار سننے کا اتفاق ہوا، جسے انھوں نے اپنے اُستاد ومربی حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور سے بارہا جلسوں میں بگوشِ خود سماعت کیا ہے۔ نیز مولانا نوشاد عالم بلیاوی کے بقول دھاواں

☆ شبلی نامہ: صفحہ ۱۳۱،۱۳۲۔ مطبوعہ تاج آفس محمد علی روڈ، بمبئی۔

شریف کے سجادہ نشین علامہ شاہ محمد شمس الضحیٰ صاحب قبلہ نے بھی اس واقعے کو نجی نشستوں کے علاوہ عوامی محفلوں میں بھی بارہا بیان کیا ہے۔

اَمرِ واقعہ یہ ہے کہ مولانا فاروق عقائد اہل سنت و جماعت کی پاسداری و موافقت میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراجِ جسمانی کے قائل تھے۔ تو ایک مرتبہ ہوا یوں کہ مولانا شبلی نعمانی اعظم گڑھ میں ایک محفل میلاد کے اندر تقریر کر رہے تھے، اور اپنے زورِ بیان کا جادو جگا رہے تھے جس میں جسمانی طور پر سفر معراجِ آسمانی کے محال ہونے کی تھیوری پیش کر رہے تھے، نیز کرۂ ناریہ وغیرہ سے گزرنے پر جل جانے کی بات کر رہے تھے۔ اتفاق سے مولانا فاروق کا اُدھر سے گزر ہوا، شبلی کی یہ بات سن کر وہ ششدر رہ گئے، سیدھے محفل میں آئے۔ آپ کے سامنے چراغ جل رہا تھا، چنانچہ آپ نے اپنی دستار سے چند دھاگے نکالے اور اُن کو چراغ کی لَو سے بعجلت کئی بار گزار کر فرمایا: شبلی :! جب سرعت سے یہ دھاگا نہ جل سکا تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے جل جائیں گے!۔(۱)

شبلی سے مولانا فاروق کا اِختلاف بڑا دلچسپ ہے، اس سے ایک تو اس قدیم پرور ماحول کا اندازہ ہوتا ہے جس میں شبلی کی دماغی ساخت معین ہوئی تھی۔ دوسرے اس فرق کا بھی پتا چلتا ہے جو علی گڑھ کے قیام سے ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن حزم وغیرہ کی کتابیں پڑھ کر نیز سرسید کی صحبت سے شبلی کے خیالات میں پیدا ہوا۔ اب شبلی وہی شبلی نہ تھے جو اعظم گڑھ میں مولانا فاروق کے سامنے زانوے شاگردی تہ کرتے تھے بلکہ انھوں نے علی گڑھ میں سولہ برس گزارے تھے اور سرسید کے علمی وفکری رنگ نے پرانے رنگ اُتار کر اُن کے لوحِ فکر و مزاج پر بہت کچھ جدید نقش و نگار چڑھا دیے تھے۔(۲)

---

(۱) اس واقعے کی تائید و تصدیق کے لیے مولانا فاروق ہی کی کتاب 'ذخر المعارف تذکرۃ العلوم' بھی دیکھی جا سکتی ہے، جس میں مولانا نے معجزہ و کرامت کو عقلی و سائنسی دلائل سے خوب ثابت کیا ہے۔ -قادری چریاکوٹی-

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے شبلی نامہ، شیخ محمد اکرام: صفحہ۱۱۴۔ مطبوعہ تاج آفس محمد علی روڈ، بمبئی۔

تاہم شبلی نعمانی کے خیالات میں توسع پیدا ہوجانے اور ان خشمگیں حالات کے باوصف اپنے استاد مولانا فاروق کی عقیدت ومحبت میں کوئی فرق نہ آیا اور زندگی کے آخری لمحے تک وہ محبت وعقیدت ان کے دل میں قائم ودائم رہی۔لیکن ایک بات ہمیشہ میری سمجھ سے بالاتر رہی کہ جس شاگرد کی کل علمی کائنات اپنے مشفق اُستاذ کی رہین منت رہی ہو، اور جس نے اسے محمد شبلی سے اُٹھا کر علامہ شبلی نعمانی تک کا ارتقائی سفر طے کرایا ہو اس اُستاذ محترم کی حیات وخدمات یا مکتوبات وملفوظات کے حوالے سے ادیب اریب اور محقق لبیب علامہ شبلی کی کوئی تحریر دبستان اَدب میں کھوجے سے بھی ہمیں کہیں نہیں ملتی!۔اس حوالے سے ایک دلچسپ اور چشم کشا مکالمہ ملاحظہ کیجیے :

علامہ شبلی سے اُن کے اُستاد کی پوتی کا ایک شکوہ!

۲۷ رمئی ۲۰۱۵ء کو مئو میں طبقہ اشرافیہ کی ایک تقریب نکاح میں شرکت کا موقع ملا۔ غیر متوقع طریقے پر چند عباسیانِ چریاکوٹ سے ملاقات ہوگئی جو اس وقت بنارس میں مہاجرانہ زندگی بسر کررہے ہیں۔حسن اتفاق کہ ان میں ایک ابوالمعانی علامہ مبین کیفی چریاکوٹی کی صاحب زادی محترمہ عطیہ عباسی (یعنی مولانا فاروق عباسی چریاکوٹی کی پوتی) بھی نکلیں۔دورانِ گفتگو جب انھیں علم ہوا کہ میں علماے چریاکوٹ کے پراگندہ تذکار کی شیرازہ بندی کررہا ہوں تو انھوں نے برملا فرمایا کہ 'مولانا! آپ کے تذکرہ میں جہاں جد امجد مولانا فاروق کا ذکر آئے وہاں اس بات کی وضاحت ضرور کردیجیے گا کہ علامہ شبلی نے ایک ذرّہ بے مقدار سے آفتابِ گہر بار ہونے تک کا سفر دراصل مولانا فاروق کی رہبری اور سرپرستی میں طے کیا ہے، حتی کہ ان کے نام کے ساتھ 'نعمانی' کا لاحقہ بھی جد امجد ہی کا عطا فرمودہ ہے۔

احسان شناسی کا تقاضا تو یہ تھا کہ علامہ شبلی -جنھیں زبان وبیان کی بھرپور صلاحیتوں

سے مبدأ فیاض نے نوازا تھا اوران کی درجنوں علمی واَدبی وفکری کتابیں اس پر شاہد عادل ہیں- اپنے آفاق گیر شہرت کے حامل اُستاذ کا تذکرہ تفصیل تمام کے ساتھ لکھتے اوران کے نقوشِ حیات وخدمات کوخوب اُجاگر کرتے کہ یہ علامہ پر مولانا کا بہت سارے واجبی حقوق میں سے ایک ناگزیر حق تھا۔جس طرح علامہ نے خلیفہ راشد امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حیات وخدمات کے تابندہ گوشوں کوآشکار کرنے کے لیے 'الفاروق' نامی ایک تاریخی کتاب لکھی، اسی طرح استاد شناسی کا حق ان سے تقاضا کررہا تھا کہ 'الفاروق' نام کی ایک اور کتاب لکھتے جس میں اپنے موقر اُستاذ مولانا فاروق چریاکوٹی کی علمی واَدبی خدمات اوران کی ہمہ گیر شخصیت کے مختلف تابندہ پہلوؤں پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہوتی؛ مگر افسوس کہ علامہ نے مولانا کے سانحہ ارتحال پر ایک صفحے کی تعزیتی رپورٹ کے علاوہ اور کچھ لکھنے کی زحمت گوارا نہ کی اور ستم بالائے ستم یہ کہ آج علامہ کے قائم کردہ معروف اِدارہ دارالمصنّفین میں معروف وغیر معروف مصنّفین ومولفین کی کتب ورسائل کوجگہ تو مل گئی مگر اگر کتابوں کی بھیڑ میں دکھائی نہیں پڑتیں تو ایک مولانا فاروق کی کتابیں، حالانکہ مولانا نے درجن کے قریب معرکۃ الآرا کتب اور وقیع رسائل تصنیف کیے ہیں۔ اُستاد فراموشی کی ایسی زندہ مثال آپ کو دبستانِ تاریخ میں کم دیکھنے اور پڑھنے کو ملے گی!'۔

مولانا فاروق کے تئیں کچھ یہی معاملہ سرسید احمد خان کا بھی رہا۔حالانکہ سرسید نے نئے حالات کا مقابلہ کرنے اور جسد ملت میں جدید تعلیم کی روح پھونکنے کے لیے جوتحریک چلائی تھی تواس کی حقیقت کھل جانے پر آپ نے سخت برہمی کا اظہار کیا، نیز آپ نیچریت والحادیت کے نہ صرف زبردست مخالف بلکہ اس کے لیے ننگی تلوار بھی تھے، اور اپنوں یا غیروں جس میں بھی اس کی بومحسوس کی فوراًاس کی بیخ کنی کے لیے میدان میں اُترآئے۔

(۱) نقوشِ سلیمانی، سید سلیمان ندوی:۴۶۳۔مطبوعہ دارالمصنّفین، شبلی اکیڈمی، شبلی روڈ۔اعظم گڑھ

ہمارے اِس دعوے کی تصدیق مولانا فاروق کی مایۂ ناز کتب 'ذخر المعارف تذکرۃ العلوم' اور 'عوالی جواب مسدس حالی' دونوں کرتی نظر آتی ہیں؛ لیکن ان سب کے باوجود بانیِ نیچریت سرسید احمد خان نے مولانا فاروق کی شان میں جو قصیدہ پڑھا ہے وہ بڑا عجیب ہے؛ نیز اس حقیقت کا غماز بھی کہ 'فضیلت وہ ہے جس کی گواہی رقیب بھی دینے پر مجبور ہوجائیں'۔ سرسید احمد خان مولانا کے نام اِرسال کردہ ایک خط کے وسط میں رقم طراز ہیں :

> 'ہم کو آپ کی ذات پر نہایت فخر ہے کہ اَب بھی ہماری قوم میں ہمارے اَسلاف کے نمونے موجود ہیں، اور ہم خوش ہیں بلکہ مغرور ہیں کہ جس طرح ہم اپنے گزشتہ بزرگوں پر فخر کرتے ہیں اُسی طرح آپ کی ذات کے سبب موجودہ بزرگوں پر بھی فخر کرسکتے ہیں۔ خدا آپ کو زندہ وخوش وخرم رکھے'۔(۱)

اس خط کا سرنامہ و اِبتدائیہ یوں ہے: 'جناب مولانا مخدوم ومکرمِ من مولانا محمد فاروق صاحب! آپ کا عنایت نامہ معہ خطبہ عربی پہنچا۔ ہمارے اِعزاز کا باعث ہوا۔ درحقیقت آپ جیسے بزرگ فرد زمانہ کا اس محبت سے پیش آنا ہمارے فخر کا باعث ہے'۔ حالانکہ غور طلب اَمر یہ ہے کہ اس عربی خطبۂ نکاح میں مولانا فاروق نے کئی مقام پر جہاں عقائد اہل سنت کی ترجمانی کی ہے وہیں نیچریت کی بیخ کنی بھی کی ہے۔ مثلاً واقعۂ معراج جسے سرسید نے اَصلاً وعقلاً محال قرار دیا ہے، مولانا نے بڑی خوبصورتی سے اس کی صداقت وواقعیت کو خطبے کا حصہ بنا کر اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کا فریضہ علیٰ رؤوس الاشہاد سراَنجام دیا ہے، اور سرسید کو خواہی نہ خواہی اس کی تصدیق وتعریف کرنی پڑی ہے۔

الغرض! اس تفصیلی بحث کو پڑھنے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ مولانا فاروق کی خوش عقیدگی وصحیح الاعتقادی کا بادل بالکل بے غبار ہوچکا ہوگا؛ تاہم اس تعلق سے اگر کوئی یا وہ

---

(۱) تقریظ بر رسالہ ذخر المعارف معروف بہ تذکرۃ العلوم، ملحق بر رسالہ عوالی جواب مسدس حالی: ۲۱۔

گوئی کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا منصب ہے، ہم نے اس کتاب کے 'حقوقِ اختلاف' محفوظ نہیں رکھے ہیں، ہر شخص کو علمی اِعتبار سے دلائل کی روشنی میں بحث کرنے کا پورا حق ہے۔

اپنے اس دعوے کو مزید قوت دینے کے لیے ہم ذیل میں کچھ حقائق پیش کرتے ہیں:

علامہ محمد فاروق عباسی چریا کوٹی نے میلاد و فاتحہ وغیرہ کے تعلق سے مشہور و معروف اور معرکۃ الآرا کتاب 'انوارِ ساطعہ در بیانِ مولود و فاتحہ' مؤلفہ مولانا عبدالسمیع بےؔ دل سہارن پوری (م ۱۳۱۸ھ) خلیفہ شیخ حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ) پر ایک جاندار تقریظ رقم فرما کر اُس کے مندرجات سے اپنی کلی موافقت کا اِظہار فرمایا ہے۔ یاد رہے کہ یہ وہی کتاب ہے جس پر درجنوں علما و فقہاے اہل سنت و جماعت کے ساتھ اِمام احمد رضا محدث بریلوی (م ۱۳۴۰ھ) کی تصدیق بھی بھرپور دلائل کے ساتھ موجود ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ کتاب مولانا فاروق کے عقائد و معمولات سے کچھ مختلف ہوتی تو وہ بھلا اس پر تقریظ ہی کیوں لکھتے، اور اگر کتاب کے بعض مباحث و مسائل سے علامہ کو کوئی اِختلاف ہوتا تو وہ یقیناً برملا اسے بیان فرما دیتے۔

آج بھی بہت سے تقریظ نگار جب کتاب کے کسی مسئلے سے متفق نہیں ہوتے تو بلا تکلف اُسے لکھ کر اس سے اپنی عدم موافقت کا اظہار کر دیتے ہیں، اور پھر مصنف اسے یوں ہی باقی رکھ کر طبع کرا دیتا ہے، اِس علمی اَمانت میں خیانت کا اسے کوئی حق نہیں ہوتا۔ تو پھر علامہ فاروق تو علامہ فاروق تھے، اگر اس کتاب کے کسی مسئلے سے انھیں اختلاف ہوتا تو وہ بلا خوفِ لومۃ لائم ضرور اُسے ضبطِ تحریر میں لاتے۔ کس میں اِن کا قلم پکڑنے کی جرأت تھی!، یا کون ان سے زبردستی کچھ لکھوا سکتا تھا!۔ چریا کوٹی علما کا یہ خاصہ رہا ہے کہ انھوں نے کبھی کسی معاملے میں کسی مداہنت سے کام نہیں لیا، جسے سچ جانا اسے سچ کہا اور جھوٹ کو ہمیشہ جھوٹ بتایا۔

مولانا موصوف نے جس مسجع و مقفع عبارت آفرینی کے ساتھ کتاب اور صاحب کتاب کی پذیرائی وحوصلہ افزائی کی ہے، وہ یقیناً اُن جیسے اَدیب اریب اور محقق لبیب ہی کا حصہ ہے۔ اور پھر مولانا عبدالسمیع بےدل رام پوری نے تقریظ کی پیشانی پر مولانا فاروق کو جن اَلفاظ واَلقاب سے یاد فرمایا ہے، وہ بھی بڑا شاندار اور بلاغت افروز ہے:

صورة ما رصعه الأديب اللوذعي و الأريب الألمعي، غواص بحار التحقيق، سباق غايات التدقيق، عالم صنائع الكلام، عامل بدائع النظام، التقي النقي الزكي، الضابطة المثبت الصدوق، مولانا **محمد فاروق** –مد ظله العالي مدى الأيام و الليالي–(١)

’انوارِ ساطعہ‘ میں کیا ہے؟ یہاں اس کے مباحث کی مختصر سی جھلک پیش کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا: میلاد و قیام کا ثبوت...... کھانا اور شیرینی پر فاتحہ، نیز تیجہ، چالیسواں، اور برسی وغیرہ کا ثبوت...... مخالفین میلاد کے اِعتراضات کا جواب...... بدعت کی سیر حاصل بحث ...... عرس کا جواز...... قبر شریف پر دست بستہ کھڑا ہونا...... انبیا و اولیا کی روحوں کا چلنا پھرنا اور تصرف کرنا...... حضور کو غیب کا علم ہونا...... قبورِ مشائخ وعلما پر قبے بنانا...... ندائے یارسول اللہ کا جواز وغیرہ۔

یہ اور اس طرح کی بہت سی دوسری علمی اور معتقداتی بحثیں قریباً آٹھ سو صفحات پر اس میں پھیلی ہوئی ہیں۔ راقم الحروف کی تسہیل وتخریج کے ساتھ یہ کتاب ہند و پاک کے کئی معروف مکتبوں سے بار بار چھپ چکی ہے، اور مارکیٹ میں دستیاب بھی ہے۔ آپ اس کا مطالعہ کرتے جائیں اور سمجھتے جائیں کہ معمولات وعقائد اہل سنت و جماعت کے تعلق سے یہی علماے چریاکوٹ بالخصوص مولانا محمد فاروق عباسی چریاکوٹی کے بھی افکار و معتقدات رہے ہیں۔

(١) انوارِ ساطعہ، طبع جدید: ٦٣٦، ٦٣٧۔ رضوی کتاب گھر، دہلی

اس کے علاوہ مولانا فاروق نے اپنے خطبات کے مجموعہ 'الخطبُ الحنفية في المواعظ الحسنة البهية' مطبوعہ انوارِاحمدی الہٰ آباد میں عقائدومعمولاتِ اہل سنت کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ نظم کیا ہے۔ مثلاً نداے یارسول اللہ کا جواز، اِنعقادِمحافل میلاد کی برکات، بیس رکعت تراویح کا جواز، اس کے کم پڑھنے والوں کی تبکیت وتضلیل، سواداعظم اہل سنت کی تابندہ کڑیوں سے جڑے رہنے کی تاکید، معراجِ سماوی کا ثبوت، امام اعظم ابوحنیفہ، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہما الرحمہ کے مناقب وفضائل، اورتقلید ائمہ وغیرہ کو بڑی خوبصورتی سے سلک خطبہ میں پروکر منصۂ شہود پرلا دیا ہے تاکہ سیدالایام جمعہ کے روز منبرومحراب کے دروں سے عقائد اہل سنت کی خوشبوئیں پھوٹیں اور اہل ایمان واسلام کے مشامِ جاں معطر ہوں۔

علاوہ بریں وہابیوں، سلفیوں اورغیرمقلدوں کے رد میں علامہ محمد منصورعلی مرادآبادی (م ۱۳۳۷ھ) کی تصنیف کردہ جلیل القدر کتاب 'فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین' -جوآج تک غیرمقلدوں کے لیے کھلا چیلنج ہےاورجس کا جواب اُن کے سر پر قرض ہے- اس کا ضمیمہ مولانا عبدالعلی آسی مدراسی (م ۱۳۲۷ھ) نے 'تنبیہ الوہابیین' کے نام سے لکھا ہے، اس پر بھی بہت سے علماومشائخ کے ساتھ مولانا فاروق عباسی نے ایک بڑی ہی جاندار اورفکرانگیز تقریظ رقم فرمائی ہے۔ اس کتاب میں تقلید ومجتہدین کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے، اورغیرمقلدوں (وہابیوں، سلفیوں) کے عقاید ومکائد کوطشت از بام کیا گیا ہے۔

یہ پوری کتاب غیرمقلدوں، سلفیوں اور وہابیوں کے عقائد واَفکار کے رد وابطال میں لکھی ہے، جس پر تقریظ لکھ کر مولانا فاروق نے گویا وہابیہ وسلفیہ کے نظریات ومعتقدات کی بھرپور تردیداوراس کتاب کے مشمولات سے کلی موافقت کا اِظہار فرمادیا ہے۔

تمہیدی کلمات میں کچھ یوں پیغام دیا گیا ہے کہ ہندوستان میں دینی ومذہبی ماحول ہمیشہ سے اِتفاق ویگانگت کا آئینہ دار رہا ہے، لوگ ہمیشہ سے تقلید کے دلدادہ رہے ہیں

اور معمولات اہل سنت و جماعت کو حرزِ جان بنائے رکھا ہے، لیکن اِدھر کچھ لوگوں نے اپنے جدید عقائد و نظریات کے باعث اسلاف کی روایتوں سے باغی ہوکر اِتفاق و محبت کی اس فضا کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور عالم یہ ہے کہ آج ہر طرف فتنہ و فساد کا طوفانِ بدتمیزی سانسیں لے رہا ہے۔ اور غیر مقلدیت کے حملے سے جسد ملت لہولہان ہے۔

پھر اخیر میں تقلید کی اہمیت کو منطقی نتیجہ دیتے ہوئے اس کی ناگزیریت پر یوں مہر ثبت کی ہے۔ لکھتے ہیں :

..... إن التقليد في الأعمال الواجبة واجب لا محيص عنه فإن العمل موقوف على العلم به والعلم بشرائطه، ولا يتيسر هٰذا الأمر لفاقد المهارة إلا بالتقليد فالتقليد هٰهنا مقدمة الواجب ومقدمة الواجب واجبة فالتقليد واجب ....

یعنی تقلید ایک ایسی چیز ٹھہری کہ جس کی ہر علم میں ضرورت ہے، خصوصاً علم دین میں جس پر مدار کارِ اسلام کا ہے اس میں آزادی اختیار کرنے سے دین میں بڑے بڑے رخنے پڑ جاتے ہیں اور بدونِ احتیاط کے کسی مسئلے پر عمل نہیں ہوسکتا، پس خلاصہ کلام یہ قرار پایا کہ تقلید واجب ہے؛ کیوں کہ تقلید مقدمہ واجب ہے اور مقدمہ واجب واجب ہوتا ہے تو تقلید بھی واجب ہوئی۔ (۱)

مولانا کو فارسی اور عربی میں یدطولیٰ حاصل تھا؛ نیز اُردو، فارسی اور عربی کے وہ قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ شاعری کے علاوہ عربی زبان میں اُن کے دو اَدبی خطبات ہیں جو اُن کے کمال فصاحت و بلاغت کی دلیل ہیں۔ اس زمانے کے کمالات کے مطابق آپ صنائع و بدائع کا خاص شوق رکھتے تھے۔ مثلاً غیر منقوط قصائد اور خطبے وغیرہ۔ (۲)

---

(۱) فتح المبین فی کشف مکائد غیر المقلدین: ۳۴-۵۔ مطبوعہ، دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی۔

(۲) الندوہ، لکھنؤ، اکتوبر ۱۹۰۹ء بحوالہ حیاتِ شبلی: ۹۸۔

مولانا کے غیر منقوط بہت سے شہ پاروں میں ایک ان کا بے نقط خطبہ نکاح بھی ہے، جسے آپ نے سرسید کے برخوردار سید محمود کے لیے قلم بند کیا تھا۔ اس واقعے کو صاحب تذکرۂ مشائخ غازی پور نے یوں بیان کیا ہے :

جب سرسید کے لڑکے سید محمود کی شادی ہونے لگی تو سرسید نے ان سے نکاح کا ایک خطبہ لکھنے کی استدعا کی۔ اس وقت مولانا موصوف کا قیام مستقل طور پر غازی پور ہی میں تھا۔ انھوں نے ان کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے عربی زبان میں نکاح کا ایک خطبہ تیار کر کے علی گڑھ بھیجا۔ مقالاتِ سرسید کے مطابق اس خطبہ کی خاصیت یہ تھی کہ اس میں کوئی نقطہ والا لفظ نہیں آیا تھا۔ قارئین کی ضیافت طبع کے لیے ہم اسے یہاں من وعن نقل کرتے ہیں :

الحمد لله الصمد الودود ، الحكم العدل المحمود ، مالک العهد الموعود ، موَسِّع العطاء الممدود ، دمَّر رهط هود ، و أمَّر آل داؤد ، ولاعدد عادٌّ لعطائه ، ولاأمد حادٌّ لآلائه ، لا إله إلا الله ، ولا مالُوهَ للأمم سواه .

اللّٰهم صل وسلم سلاما ، وكمِّلهما دواما ، لرسولک محمد ، أكرم الرُّسُل ، مكمِّل الملل ، مآل الأمل ، مؤمِّل المُرْمِل ، والأرمَل ، وهو سمَک اللوَاء ، وساعد الإسرَاء ، وصعد السَّمآء ، وساد الرُّسل الكرمآء ، وأعلىٰ محل آدم وحوآء وأرحم ، اللّٰهم آله الصلحاء ، وأوِدَّائه الرُّحمآء ، ما همر السمآء ، و ادْلهمَّ المساء .

اعملوا أهل الإسلام ، رحمكم الله السلام ، عمل الكرام ، واعلموا المرء أمامه الحِمام ، ماله إعدام ، وآماله أحلام ،

مراحله آسام ، ورواحله أعلام ، وصراطه كحد الحُسام ، وصلُّوا وصوموا للّٰه الودود ، وأعدوا العُدد للأمر الموعود ، وأصلحوا أمور الأهل والاٰل ، و راعُوا محلَّ العِرس والمولود ، علموا الأولاد مصالحهم وواصلوا الودود الولود ، كما أمركم رسولكم أحمد المحمود ، وهو كما أحكم عمل مصالح المعاد ووسم ، أمر بإصلاح الأهل والأولاد وحكم . وللّٰه در امُرءٍ صاهر الأحرار ، وواصل الأطهار ، ووادَّ كرام المَولد ، ولاحم أهل الكرم والسُّودد .

اللّٰهم اعط العروس وعرسه عمراً طال عهداً ، ولهما كرما ووُدًّا(۱)]كرام المولد ، وراحم أهل الكرم والسودد ، وسالک مسلک رسولکم محمد ، كما عمله المولى العادل محمود ، ولد الحلاحل الكامل أحمد ، وهما كل واحد منهما على الكرماء وساد ، وسرود ودهما السرور والرساد ، سماء الكرام ، وداماء الهمم ، وواساء لكلوم ،اللّٰهم اعط المحمود عمرا طال عهدا ، ومالا ما حصر عدا ، وأوله وعرسه كل واحد ودا ، وأكرمهما مالا وولدا ، وسرهما سرورا ما أحصاه أحدا مدا[

ترجمہ : تمام تعریف اُس اللہ رب العزت کے لیے جو سب کی پناہ اور سب کا محبوب ہے، بہترین منصف، ساری حمدوں کے لائق، روزِ قیامت کا مالک، اور اپنی بے پناہ بخششوں کو بے اِنتہا عطا کرنے والا ہے۔ اُسی نے قومِ ہود کو چاہِ ہلاکت میں اُتارا، اور آلِ داؤد کو سلطنت وحکومت سے ہمکنار کیا۔

---

(۱) الخطب الحنفیۃ فی المواعظ الحسنۃ البہیۃ لمولانا فاروق: ۴۵ تا ۴۷۔ انوارِ احمدی الٰہ آباد۔

نہ اس کی عطاؤں کو کوئی حیطہ شمار میں لاسکتا ہے، اور نہ کوئی اس کی بخشش وکرم کا اِحاطہ کرسکتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، اور نہ اللہ کے سوا کوئی کسی کا کام بنا سکتا ہے۔

اے اللہ! تو دائمی درود وسلام نازل فرما اپنے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو تمام رسولوں میں نہایت مکرم ہیں، تمام ملتوں کی تکمیل فرمانے والے ہیں، سب کی اُمیدوں کی آماجگاہ ہیں، نیز بے سہاروں اور بیواؤں کی آرزوؤں کا مرکز ہیں۔ آپ نے پرچم اسلام کو بلند فرمایا، راتوں رات سیر فرمائی، اور آسمان کی بلندیوں کو طے کیا۔ آپ تمام مرسلین عظام کے سرخیل ہیں، (حتیٰ کہ اَبوالبشر) حضراتِ آدم وحوا علیہما السلام سے بھی آپ بلند تر ہیں اور اُن سے کہیں زیادہ رحم وکرم کرنے والے ہیں۔ اے اللہ! اُن کے صالح متبعین پر رحمت نازل فرما اور آپ سے محبت کرنے والے مہربانوں پر بھی جب تک چرخِ کہن بارش برساتا رہے۔ اے اہل اسلام! توشۂ عمل تیار کرو، اور اچھے لوگوں جیسا عمل کرو۔ اللہ تمہارا حامی وناصر ہو۔

اچھی طرح ذہن نشیں کرلیں کہ موت اِنسان کے ساتھ ساتھ لگی ہے۔ اُس کا مال ودولت کچھ کام نہ آئے گا۔ اس کی اُمیدیں محض خواب وخیال ہیں۔

مرحلہ حیات بڑا پُر آلام ہے، اور اس کی سواریاں مشکلات سے بھری پڑی ہیں۔ اس کا راستہ تلوار کی طرح دھاردار ہے۔

وعدۂ نماز کو مدنظر رکھتے ہوئے ٹوٹ کر اللہ کی عبادت کرو۔ اور عرصۂ محشر کا بھرپور سامان تیار کرو۔ اپنے اہل وعیال کے اُمور کی اِصلاح کرتے رہو اور شادی وپیدائش کے مواقع کا پاس ولحاظ رکھو، جیسا کہ تمھیں تمہارے رسول گرامی

وقار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ وہ اللہ کے رسول ہیں، پناہ گاہِ خلائق، اور بہت زیادہ گڑگڑانے والے۔

جس طرح انھوں نے آخرت کے تمام اُمور منضبط کیے، یوں ہی اپنے اہل وعیال کے لیے بھی اُمورِ اصلاح کی بھرپور نشان دہی فرمائی۔ اللہ ہی کے لیے تمام خوبیاں ہیں جس نے آزاد لوگوں کے ساتھ سسرالی رشتے قائم فرمائے اور پاک لوگوں سے تعلقات اُستوار کیے۔ اس نے ان بزرگوں کی محبت پیدا کی جو اچھے مقام میں پیدا ہوئے اور شرفا و سرداروں میں تعلقاتِ خاطر پیدا کیے اور اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ واُسوہ اِختیار کیا۔

عادل محمود نے جو باوقار کامل احمد کے لڑکے ہیں اور وہ دونوں بلکہ ان دونوں میں ہر ایک بڑے بڑے شرفا سے زیادہ صاحب مرتبہ ہوئے اور ان کے ورود سے زمانہ کے لوگوں نے اظہار مسرت کیا، وہ بخشش کے آسمان، ہمت کے سمندر اور دلوں پر مرہم رکھنے والے ہیں۔ اے اللہ! محمود کو طویل عمر عطا کر اور بے شمار دولت عطا فرما اور زوجین میں اُلفت ومحبت قائم فرما اور ان دونوں کو مال واولاد عطا فرما اور ان دونوں کو بے اِنتہا مسرت وشادمانی سے ہمکنار فرما۔(۱)

اس کے جواب میں سید محمود ابن سرسید نے اُردو زبان میں ایک خط اظہارِ مسرت کے لیے لکھا اور اس میں تحریر فرمایا کہ 'اگر میں ہنسی سے کہوں کہ خوب بے نقط سنائی تو کچھ مضائقہ نہیں'۔(۲)

مولانا کی تصنیفات میں عربی وفارسی اور اُردو نظم ونثر کے بعض رسائل یادگار ہیں :

---

(۱) تذکرۂ مشایخ غازی پور، مع تصحیح وترمیم ترجمہ ومتن: ۱۷۷۔

(۲) تذکرہ علمائے ہند: ۲۰۸، ۲۰۹۔

مثلاً منظومہ نحویہ ، فارسی خالق باری ، کشف القناع عن وجوہ الاوضاع ، ذخر المعارف تذکرۃ العلوم ، الخطبُ الحنفیہ فی المواعظ الحسنۃ البہیۃ ، اُصولِ فارسی ، مسدسِ عوالی بجواب مسدس حالی ، مسدسِ فاروقی ، لیلیٰ مجنوں (فارسی نظم) ، نعت درمعراج (فارسی) ، تعلیماتِ انسانی (فارسی) ، اور تطلیقاتِ ثلاثہ کی بحث پر ایک رسالہ۔ نیز مولوی محمد ادریس نگرامی نے 'اعلام حکام لحقوق اسلام' نامی ایک کتاب کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کتب ورسائل میں سے بعض کا مختصر تعارف وتبصرہ یہاں پیش کردینا افادیت سے خالی نہ ہوگا۔(۱)

☆ **ذخر المعارف تذکرۃ العلوم:** اپنے موضوع پر بڑی جامع، بلیغ اور پر مغز تصنیف ہے۔ جملہ متداول وغیر مروّج علوم وفنون کا یہ تعارفی خاکہ ذہن وفکر کے بند دریچے کھولتا ہے، اور علماے اِسلام کی بے تکان کاوشوں کا پتا دیتا ہے۔ کتنے علوم ایسے ہیں جن کا آج ہم نام تک نہیں جانتے؛ مگر اَسلاف نے اُن میں حکمتوں کے دریا بہادیے ہیں۔ اور ہمارے شاطر دشمن نے ہماری اس غفلت اور کوتاہ اندیشی کا فائدہ اُٹھاکر ایسے بیشتر علوم کا سہرہ اپنے پرکھوں کے سر مڈھ دیا ہے۔ یقیناً نبی غیب داں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمنوں کی اِس خطرناک سازش کا علم تھا؛ اس لیے مسلمانوں کو پیش آگاہی فرما گئے :

الْـكَـلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤمِنِ، فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا . -رواه الترمذي-

یعنی حکمت کی باتیں (یا علومِ حکمیہ) اہل ایمان کی گمشدہ میراث ہیں؛ لہٰذا وہ جہاں اسے پائے لے لے کہ اس کا زیادہ حقدار وہی ہے۔

---

(۱) تطییب الاخوان بذکر علماء الزمان ملقب بہ 'تذکرہ علماے حال'۔ مولوی محمد ادریس نگرامی: ۸۴۔ مطبع منشی نول کشور ۱۸۹۷ء۔

اُردو کے ذخیرے میں ایسی کتاب نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔ مصنف نے جس انداز سے علوم وفنون کا تعارف کرایا ہے، اس سے علم و ہنر کے تئیں ان کے گہرے شوق وشغف کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مولانا اپنے دور میں علم کے اَقدار کے بہت بڑے حامی وعلم بردار تھے۔ اور حالات کے تناظر میں درسی کتب (مروّجہ درسِ نظامی) کی نوک و پلک بھی سنوارتے رہتے تھے۔

مصنف نے اس کتاب میں محض تعارفِ فنون تک ہی خود کو محدود نہیں رکھا بلکہ ہر فن کی مشہور ومعروف اور متداول ومروّج کتب کی نشان دہی بھی کردی ہے۔ نیز جہاں ضرورت محسوس ہوئی، باطل اور نو پید فرقوں کی اچھی طرح گوشمالی بھی کی ہے۔ ساتھ ہی بہت سے اَدق علوم وفنون کو مثالوں کے ذریعہ اَقرب الی الفہم کرنے کی بھی بھرپور کوشش کی ہے جس سے یہ کتاب علما وطلبہ کے لیے حرزِ جاں اور کامل نفع رساں ہونے کے ساتھ عوام کی دلچسپی کا بھی یک گونہ باعث ہوگئی ہے۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ کا میں خصوصی طور پر شکرگزار ہوں کہ جس کی عنایت سے یہ کتاب موصول ہوئی۔

☆ **الخطب الحنفیہ فی المواعظ الحسنۃ البہیۃ:** یہ دراصل آپ کے عربی خطبات اور بعض مواعظ وقصائد کا مجموعہ ہے۔ ۵۲ صفحے کے اس رسالے کو مطبع انوارِ احمدی الہ آباد نے طبع کرنے کی سعادت پائی۔ جسٹس محمود ابن سر سید احمد خان کے لیے لکھا گیا غیر منقوط خطبہ نکاح بھی اس کے اندر موجود ہے۔ اس کے اخیر میں حالات مصنف کے طور پر مولانا جلال الدین احمد نے ایک مختصر مگر جامع مضمون قلم بند کیا ہے۔ پھر اس کے اخیر میں وحید العصر، فرید الدہر، اور صاحب فیض بزرگ مولانا شیخ محمد حسین محبّ اللّٰہی الہ آبادی کی بڑی ہی مقفع مرصع مسجع تقریظ ہے۔ ایک مقام پر مولانا فاروق کی توصیف میں وہ خامہ فرسا ہیں:

یا لها عالي النجار طيب العروق، الساقي من صهباء الأدب أقداح الراؤق، لصاديها في الصبوح والغبوق، مولانا محمد

فاروق، ما برحت ذكاء فضله في الشروق، ولوامع فيضه في البروق، ولم يزل كواكب سعده في السموق، ونجوم ذى ضغنه في الخفوق، فللّٰه دره لقد رمى أغراض الخطابة فقد أصاب، واستدرَّ من سحاب الأدب صوب الصواب، فصب وصاب، ولقد جاء بفصل الخطاب، ما يسحر به الألباب، حياه اللّٰه وبيَّاه، لقد أتى بزهر ما أطيب رياه .(۱)

اس مجموعہ خطبات میں آپ نے بعض عقائد و معمولاتِ اہل سنت کو بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ نظم کر دیا ہے۔ مثلاً ندائے یا رسول اللہ کا جواز، اِنعقادِ محافل میلاد کی برکات، بیس رکعت تراویح کا جواز، اس کے کم پڑھنے والوں کی تبکیت و تضلیل، سوادِ اعظم اہل سنت کی تابندہ کڑیوں سے جڑے رہنے کی تاکید، معراجِ سماوی کا ثبوت، امام اعظم ابوحنیفہ، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہما الرحمہ کے مناقب و فضائل، اور تقلید ائمہ وغیرہ۔

☆ **کشف القناع عن وجوہ الاوضاع:** چند صفحات پر مشتمل یہ ایک نحوی رسالہ ہے، جس میں آپ نے فن کے دقیق مسائل و مباحث کو آسان کر کے بڑی خوش سلیقگی کے ساتھ پرو دیا ہے۔ یہ رسالہ جہازی سائز پر چھپی ہوئی شرحِ جامی کے ہر نسخے کے آغاز میں بالکل باریک خط میں صفحہ ۲۹ سے ۳۱ تک دیکھا جا سکتا ہے۔

☆ **مسدسِ عوالی:** اُردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں آپ کی طوطی بولتی تھی، اور نظم و نثر پر آپ کا یکساں قدرت و مہارت حاصل تھی۔ آپ کا درس آمیز لہجہ، فن اور اخلاق کے درمیان اَثر آفریں ہم آہنگی، جذبہ و فکر کی مفاہمت اور شاعر کی منھ بولتی جذبات نگاری لائق ستائش ہے۔ آپ کی شاعری دراصل مذہبی و اعتقادی مظاہر و منابع اور تاریخ اسلامی کے منظر ناموں سے نمو پذیر ہوئی تھی۔

---

(۱) الخطب الحنفیہ فی المواعظ الحسنۃ البہیۃ: ۵۳-۵۴، مطبوعہ انوار احمدی الہ آباد۔

آپ نے جو کچھ کہا اظہارِ عقیدہ، اعلائے کلمہ حق اور مذہبی و اعتقادی شائستگیِ جذبات اور پاکیزگیِ نفس کے ساتھ کہا؛ کیوں کہ مذہبی شاعری بشرطِ اُستواری کو عین ایمان سمجھتی ہے۔ وہ عقیدہ ہی ہے جو شاعر کو جذبات کی صداقت اور انسانی نفسیات کی سچائی کا اِدراک وعرفان عطا کرتا ہے۔ جس کو زندگی کی سچائیاں نصیب ہو جائیں وہ حقیقت نگاری اور دل گدازی کے نت نئے پہلو کی تلاش آسانی سے کرسکتا ہے۔

جس وقت الطاف حسین حالؔی کا مسدس شائع ہوا، تو آپ نے اُس کے بعض ہفوات کے جواب میں 'مسدس عوالی' رقم فرمایا، اور ایسی شگفتہ و بلیغ زبان اور معنی آفریں محاورے اِستعمال کیے کہ حالؔی اپنے مسدس سمیت اُس کے حسن بیان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اور اس مسدس سے مولانا کی قوتِ اظہار اور لفظوں کی مزاج شناسی کا بھی بخوبی علم ہوتا ہے۔ یہ رسالہ ذخر المعارف تذکرۃ العلوم کے اخیر میں نئی نمبرنگ کے ساتھ موجود ہے جو تقریباً بائیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ علاوہ بریں یہ پورا رسالہ ہندوستان کے مقبول ترین سنی رسالہ 'السواد الاعظم' مرادآباد جلد۲، نمبر۱۰، بابت ماہِ محرم ۱۳۴۰ھ میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

☆ **مسدس فاروقی:** یہ آپ کا ایک دوسرا مسدس ہے، جس میں اعظم گڑھ کے ۱۸۹۳ء کے ہنگامہ گاؤکشی کے واقعے کو مولانا نے درد و سوز کی بھرپور کیفیت کے ساتھ نظم کیا ہے۔ کتاب کے سرورق پر یوں مرقوم ہے :

'یعنی نظم' معرکہ عظیم واقع مئو ضلع اعظم گڑھ، جو بابت گاؤکشی کے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان ۱۸۹۳ء میں پیش آیا۔ جس میں مسلمانوں کی ایک چھوٹی جماعت نے بے شمار مخالفین کو شکست فاش دی۔ جس کو سرحلقہ مورخین باانصاف، سرخیل وقائع نگارانِ بے اعتساف، امام الادباء، مقدام الخطباء جناب مولانا قاضی محمد فاروق صاحب چریاکوٹی نے بے کم و کاست قلم بند فرمایا اور سچی تاریخ نگاری کے جوہر کو آئینہ نظم میں چمکایا'۔

۱۳۱۳ھ میں یہ کتاب علامہ عبدالعلی آسی مدراسی کے اہتمام کے ساتھ اصح المطابع، محمود نگر، لکھنؤ سے طبع ہوئی۔ یہ مسدس بھی مسدسِ عوالی کی طرح بڑا معنی خیز اور معرکۃ الآرا ہے۔ ایسی قادر الکلامی اور قوتِ اظہار ہر کسی کا نصیب نہیں ہوتا اور یہ جس کے حصے میں آجاتی ہے اس کو کسی مقام پر فکری اِفلاس کا غم نہیں ستاتا۔ خیر سے مولانا انھیں چند خوش نصیبوں میں سے ہیں جن کی ذرا سی توجہ سے آیاتِ شاعری کی تنزیل ابرِ مطیر سے زیادہ پر کیف اور روح پرور انداز میں شروع ہو جاتی ہے۔

چنانچہ خلیفہ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز، علامہ سید سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ (م ۱۳۵۸ھ) پروفیسر دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے اپنی تاریخی کتاب 'النور' کے اندر اس مسدس کا ذکر بڑے اِحترام سے کیا ہے۔ علامہ کے الفاظ یہ ہیں :

> 'کوپا اور مئو میں جب کہ ہندوؤں نے ایک حشر عظیم بپا کیا، اور بعد قتل وغارت گری اور بے حرمتی مساجد اس کوشش میں سرگرم ہوئے کہ حکامِ کچہری پر یہ ثابت کریں کہ قربانیِ گاؤ سے ہندووں کی دل آزاری ہوتی ہے اور گائے کی قربانی حسب اِجازت مذہبِ اسلام نہیں۔ اُس وقت علامہ چریاکوٹی مولانا محمد فاروق صاحب عباسی نے ایک رسالہ چھپوا کر شائع فرمایا جس میں دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے اچھی طرح ثابت فرمادیا کہ اہل ہنود کا اِدعاے باطل محض بے بنیاد ہے۔ نیز واقعہ مئو کی مستند تاریخ ایک مسدس میں نظم فرمائی جو ہندووں کے مظالم اور مسلمانوں کی مظلومیت واستقامت کی ہو بہو تصویر ہے۔ یہ دونوں رسالے چھپ کر ملک میں شایع ہو چکے ہیں'۔(۱)

پروفیسر صاحب کے اس بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا فاروق نے 'مسدسِ فاروقی' کے علاوہ گاؤکشی کے حساس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا تھا جس میں عقلی ونقلی دلائل

---

(۱) النور، از پروفیسر محمد سلیمان اشرف، مطبوعہ علی گڑھ، ۱۹۲۱ء: ۲،۳۔

وشواہد کی روشنی میں اہل ہنود کے دعوؤں کو پادر ہوا دکھا کر اس تعلق سے اِسلامی نقطہ نظر کو بالکل بے غبار کر کے طشت از بام فرما دیا تھا۔ محقق قلم کار سید نور محمد قادری (م ۱۴۱۷ھ) نے بھی اس حقیقت کو مزید واشگاف کرتے ہوئے بڑی دوٹوک بات تحریر فرمائی ہے :

’کانگریسی ذہن کے علما مثلاً ابوالکلام آزاد، اور مفتی کفایت اللہ دہلوی وغیرہ تو شروع ہی سے اس نظریۂ گاؤکشی کے حامی تھے؛ چنانچہ اس تحریک میں شامل ہوکر وہ دوسرے مسلمان رہنماؤں کو بھی ہم خیال بنانے لگے، جس کے لیے بڑے بڑے پوسٹرز، اور بینرز بھی شائع کیے گئے، اور اونٹوں کا جلوس نکال کر ان کی تشہیر کرائی گئی۔ یاد رہے کہ یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ جب ہندووں نے گائے کی قربانی بند کرانے کی کوشش کی بلکہ وہ تو سلطنت مغلیہ کے ختم ہونے کے بعد ہی سے اس تگ ودو میں مصروف تھے؛ لیکن بھلا ہو علماے حق مثلاً مولانا محمد فاروق عباسی چریا کوٹی، مولانا عبدالحئ فرنگی محلّی، اور مجدد عصر حضرت مولانا احمد رضا رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا انھوں نے ہندووں کے ان مذموم اِرادوں کو کامیاب نہ ہونے دیا‘۔(۱)

اس مسدس کا اہل اسلام پر جو اَثر ہوا وہ تو ظاہر و باہر ہے، بہت سے منصف مزاج ہندو بھی اس کی صداقت کے قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ منشی نند کشور لال، وکیل عدالت منصفی بلیا لکھتے ہیں کہ ’یہ رسالہ تادیب عوام واصلاح انام ہے کہ جس میں سچے واقعات مسطور ہیں، اور امورِ اصلاح ورفع فساد عمدہ طریقے سے مذکور ہیں۔ اگر اس کو آئینہ حق نما کہوں تو راست ہے اور اگر مرآتِ راستی وحق پژدہی قرار دوں تو بے کم وکاست ہے‘۔(۲)

---

(۱) پیش لفظ، الرشاد، از مولانا سید نور محمد قادری: ہ، و۔

(۲) مسدس فاروقی: ۳۲۔ مطبوعہ اصح المطابع محمود نگر، لکھنؤ۔

اس مسدس پر علامہ عبدالعلی آسیؔ مدراسی نے منظوم تقریظ رقم فرمائی ہے جو بڑے خاصے کی چیز ہے، جس میں کتاب اور صاحب کتاب دونوں کی عظمت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

غیرتِ صاعقہ ہے تیغ زبانِ فاروق ✿ روکشِ حارقہ ہے سیف بیانِ فاروق

اس مسدس کے مراتب کو کوئی کیا سمجھے ✿ وہی سمجھے گا جو ہے مرتبہ دانِ فاروق

پھونک دی اسکے رگ و پے میں عجب وجد کی روح ✿ جانِ جانانِ سخن ہیں سخنانِ فاروق

ذکر موتی نہیں یہ بلکہ ہے ہر لفظ اس کا ✿ زندۂ چشمہ آبِ حیوانِ فاروق

بالیقیں مجمع بحرینِ بلاغت ہیں دولب ✿ صدفِ درّ فصاحت ہیں دہانِ فاروق

اسکا ہر اسم ہے ہر فعل ہے ہر حرف ہے بس ✿ خونِ دل لختِ جگر شیرۂ جانِ فاروق

نثر کی بزم میں ہے زینت وزیب انشا ✿ نظم کی رزم میں ہے شوکت وشانِ فاروق

سطریں ہیں فوج کے دَل صفحہ ہیں میدانِ جدل ✿ ہے دوات اور قلم طبل ونشانِ فاروق

گرچہ صدہا اس اکھاڑے میں بھی شہزور آئے ✿ لیک کھینچی نہ کسی نے یہ کمانِ فاروق

ہے رواں صفحے پہ کس ٹھاٹھ سے شبدیز قلم ✿ صف میداں میں ہے کیا زورِ عنانِ فاروق

ہوئی اس واقعہ گاوٗ کشی سے روشن ✿ برّشِ بارقہ برق تپانِ فاروق

نیزۂ خامہ سے دی معرکہ آرائی کی داد ✿ ہیں گواہ اس کے سب ابنائے زمانِ فاروق

بندشِ نظم میں کس زور کی ہے جدت طبع ✿ واہ کس درجے پہ ہے تاب وتوانِ فاروق

ہے یہ فرقان سر مو نہیں فرق اس میں ذرا ✿ حق و باطل میں ہے فاروق بیانِ فاروق

واہ کیا معرکہ آرا ہوئی تاریخ آسیؔ
سیف براں ہے روانی میں لسانِ فاروقؔ

۱۳ ھ ۱۳ ☆

☆ مسدس فاروقی: ۳۲۔ مطبوعہ اصح المطابع، محمود نگر، لکھنؤ۔

سچی بات یہ ہے کہ تاریخی حقیقتیں جب تک شعر و اَدب کے پیمانے میں آکر سیال نہیں بنتیں، اس وقت تک یہ دو آتشہ شراب کا لطف نہیں دیتیں۔ حقیقت نفس الامری جب فن کے حوالے سے ظاہر کی جاتی ہے تو سجی سجائی، سنواری بنائی، نئی نویلی دلھن کی طرح اس کا حسن دوبالا ہوجاتا ہے۔ گنجینہ معنی کا طلسم شعری وفنی صیقل گری کے بغیر وجود میں نہیں آتا۔ جہانِ معنی کے نادیدہ اُفق کی تابانی وشفق تابی کے لیے تاریخی حوالے اسی وقت روشنی اور رنگینی کی برات اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں جب لفظ وخیال کے رشتوں کو فنی اُصولوں اور ہنرمندانہ بنیادوں پر اُستوار کیا گیا ہو۔

یہ سچ ہے کہ تاریخ کو اَدبیت وشعریت کے آئینہ خانے کا حصہ بنانے کے لیے فن کار کو برہنہ سر اور برہنہ پا ہوکر کڑی دھوپ میں کرچیوں اور کانٹوں سے بھری رہ گزر سے گزرنا پڑتا ہے۔ خونِ جگر کی نمود ہی سے معجزۂ فن کا ظہور ہوتا ہے۔ اقبالؔ کا یہی فلسفہ زندگی اور علم کی سچائی ہے۔

مولانا فاروق عباسی چریاکوٹی کے خطبات اور مکتوبات بھی بکثرت ہیں۔ خطبات پر تو مستقل ایک کتاب ہی ہے جس کا ذکر ماقبل میں گزرا؛ لیکن آپ کے چند ایک مکتوبات کا ذکر ’علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط‘ نامی کتاب میں ملتا ہے جسے آپ نے اپنے چہیتے شاگرد شبلی نعمانی کے لیے رقم فرمائے ہیں۔ (۱)

فارسی زبان و بیان پر بھی آپ کو درکِ کامل حاصل تھا۔ فارسی میں بھی آپ کے بہت سے قیمتی قصائد موجود ہیں، چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

داورا گوہر شناسا اینکم در بزمِ تو ☆ بحر معنی در دل و گنج سخن در آستیں
اطلس افلاک را دانم چو نقش بوریا ☆ جامہ عریانیم رودار داز دیبائے چیں

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں: علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط۔ از: ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی: ۵۲ تا ۵۹۔ ادبی دائرہ، اعظم گڑھ۔ طبع اوّل، جولائی ۲۰۱۳ء۔

ہستم از گنج قناعت مایہ دار خرمی ☆ نیستم در یوزہ گردی بر درِ تاش ونگیں

یعنی اے میرے محسن! اور اے جوہر شناس! میں تیری محفل میں اس طرح کا ہوں کہ میرے دل میں معنی کا سمندر اور عمدہ اشعار کا خزانہ میری آستین میں ہے۔ میں اطلس افلاک کو بھی بوریا سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا، چین کی دیبا سے (کپڑے کی ایک قسم) میری عریانی اور بڑھ جاتی ہے۔ میں قناعت کے خزانے سے مسرت وشادمانی کی دولت سے مالامال ہوں، میں امیروں، رئیسوں اور بادشاہوں کے یہاں بھیک مانگنے والانہیں ہوں۔

اپنے استاذ گرامی مفتی محمد یوسف فرنگی محلّی کی مدح میں ۱۲۸۶ھ میں ایک طویل مثنوی لکھی، جسے ممدوح موصوف نے کافی پسند کیا۔ اس قصیدے میں مولانا کی جودتِ طبع نے جہانِ معنی پیدا کر کے اُستاذانہ عظمت وکرامت اور رموزِ تصوف ومعرفت کے وہ نغمے الاپے ہیں کہ باذوق قاری داد وتحسین دیے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ اس کے چند اشعار دیکھیں ؎

دلم در شوق زلفش نالہ سازاست ☆ چہ می نالم غم زلفش دراز است

بدل چوں دیگ منعم گرم جوشم ☆ بصورت صورتِ نبض خموشم

دلے دارم مشعبد شیشہ بازی ☆ زبانے جادو می افسوں طرازی

حدیث من فسوں جان گدازیست ☆ دو چشم صورت خون نابہ سازیست

نوائے من صفیر ہر نشیمن ☆ حدیثم قصہ ہر کوے وبر زن

بسے ایں خامہ سحر اور ژرف ☆ بر آردو جادویہا از تہِ حرف

گہے شب آورد گہ روز بیروں ☆ گہے قاقم نمایدگاہ اکسوں

گہے ایں خامہ در لب ہائے ناشاد ☆ بافسوں خندہ جوش طرب زاد

گہے از دیدۂ دل ہائے خرم ☆ بر آرد چشمہ ہائے اشک ماتم

صفا شمعے است در بزم خیالم ☆ سخن یک نغمہ ساز کمالم

نمی بینی کہ طرفہ بلبلم من ۞ کزیں اعجوبۂ ہر محفلم من

بہرمیداں نمودم ترک تازی ۞ بخواندم نامہ ترکی وتازی

گہے از لوح رازی خوانده ام حرف ۞ گہے از حرف تازی بستہ ام طرف

گہے اندر مقام لحن شیراز ۞ شدم با اہلی وسعدی ہم آواز

گہے در بزم گاہ نغمہ سازی ۞ سخن راندم بہ آہنگ حجازی

حسودا! آں فروزاں گوہرم من ۞ کہ شمع من بہر بزمے است روشن

قلم چوں در لغات وحرف راندم ۞ سخن برکرسی اعلیٰ نشاندم

بہ نحو و ہم بلاغت خامۂ من ۞ بسے شمع معانی کرد روشن

ز موجودات عالم جستم اسرار ۞ بخواندم دفتر اعداد مقدار

بسے خار عنا در پا شکستم ۞ ز راز چرخ وانجم طرف بستم

چو کردم راز سر چرخ ظاہر ۞ سخن راندم ز اعراض وجواہر

رخ معلول وعلت وا نمودم ۞ گرہ از وحدت وکثرت کشودم

باحکام عقول وبحث ارواح ۞ بدست شرع احمد کردم اصلاح

ز طاب نور آں مہردل افروز ۞ بسے شب ہائے ظلمت کرده ام روز

سوے آباء علوی یافتم راہ ۞ شدم از امہات سفلی آگاہ

بنور دیدۂ اہل بصائر ۞ نظر کردم بہ گلزار عناصر

بسے بگماشتم نامنظور دل را ۞ تماشاے بہار آب وگل را

فنا را دست در ہر صورتے دید ۞ ز ہر یک لاجرم رخ باز پیچید

ز فکر این وآں خود را تہی کرد ۞ بسوے ملت بے چوں رخ آورد

خیالم رفت ازمہ تا بہ ماہی ۞ پئے اسرارِ ایاتِ الٰہی

بسا جہد طلب آورد درکار ✿ ربودم از شریعت گنج اسرار
چو گردم زر از شرع آگاہ ✿ ندیدم درمیاں جز نقش 'اللہ'

بمدح ممدوح می پردازد ؎

چو بر اوج کمال خود رسیدم ✿ ز سنگ آستانے بوسہ چیدم
چہ سنگے سنگ ایواں شہ دیں ✿ کہ دارد از شریعت ملک وآئیں
جناب اوستاد کعبہ جاہ ✿ دلیل راہ مردانِ حق آگاہ
سحاب ساکب جود النوال ✿ ہما صائد طود الکمال
کمی فی الوغا لیث الاعادی ✿ کریم فی الندی غیث الایادی
کریمے یوسف مصر معانی ✿ غزال مرتع فضلش غزالی
چہ یوسف مصر معنی را عزیزے ✿ نیز زوملک جم پیشش بہ چیزے
بصورت شمع بزم یوسف آمد ✿ بمعنی غیرت بو یوسف آمد
بگیتی در کمال ہمسرش نیست ✿ جبینے خالی از خاکِ درش نیست
بشوق مکتب در شش فلاطوں ✿ دلے دارد چو جام بادہ پر خوں
ادب گیرد بہ بستانش ارسطو ✿ بہ پیشش بو علی تہ کرد زانو (۱)

یعنی میرا دل اس کے گیسو کے شوق میں سرد آہ بھر رہا ہے۔ میں کہاں تک نالہ وشیون کروں؛ کیوں کہ اس کی زلف غم تو بہت دراز ہے۔

میرا دل سخاوت کرنے والے دولت مند کے گرم دیگ کی طرح جل رہا ہے، لیکن میری صورت ساکن نبض کی طرح پرسکون ہے۔

میں ایسا دل رکھتا ہوں جو شیشہ بازی کا بھان متی ہے اور میری جادو بیانی والی زبان منتر کا نقش ونگار بناتی ہے۔

(۱) تذکرۂ علماے ہند فارسی، رحمٰن علی: ۲۱۱ تا ۲۱۲۔ مطبوعہ منشی نول کشور، لکھنؤ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء

میری گفتگو جان پگھلانے کا ہنر رکھتی ہے، اور میری دو آنکھیں ساز کی دو خونی نالیاں ہیں۔

میری پکار ہر نشیمن کی سیٹی اور میر بات ہر گلی کوچے کا قصہ ہے۔

اس گہرے جادو خیز قلم نے بہت دفعہ حروف کی تہ سے جادو جگایا ہے۔

کبھی اس نے دن نکالا اور کبھی رات نکالی۔ یوں ہی کبھی اس نے بیش قیمت قاقمی پوستین دکھائی اور کبھی بیش بہا ریشمی لباس دکھایا۔

کبھی تو اس قلم نے ایسا افسوں کیا کہ آزردہ دل کے ہونٹ کو کچھ فرطِ طرب سے ہنسا دیا۔ اور کبھی مگن دل والے کی آنکھوں سے ماتمی آنسو نکال دیے۔

میرے خیال کی بزم میں صفائی ایک شمع ہے اور میری بات کمال کے ساز کا ایک نغمہ ہے۔

تمھیں نظر نہیں آتا کہ میں ایک عجیب وغریب بلبل ہوں کہ اسی سے ہر محفل کا میں ایک اعجوبہ ہوں۔

ہر میدان میں میں نے مقابلہ کیا ہے، ترکی اور عربی رسم الخط کو میں پڑھ (کر اس کی روحِ معنی تک رسائی حاصل کر) لیتا ہوں۔

کبھی تو میں نے امام رازی کے فلسفے کی تختی پڑھی اور کبھی عربی حرف کی طرح باندھی۔

اور جب میں اہل شیراز کی راگ میں الاپنے لگا تو اہلی وسعدی کی سُر میں سر ملا دی۔

اور جب کبھی میں گنگنانے کی بزم گاہ میں آیا تو حجازی لے میں گفتگو چلا دی۔

مجھ پر حسد کرنے والے! میں وہ روشن موتی ہوں کہ میری جوت ہر بزم میں روشن ہے۔

جب میں نے قلم کو لغات اور زبان میں چلایا تو کلام کو کرسیِ اعلیٰ پر لا بٹھایا۔

نحو میں بھی اور بلاغت میں بھی میں نے بہت سے معانی کے چراغ روشن کر دیے۔

اور جب میں نے عالم موجودات کے اَسرار کو ڈھونڈھا اور اَعداد و مقدار کے دفتر کو پڑھا۔

تو میں نے اپنے پاؤں میں مشقت کے بہت سے کانٹے چبھائے تب آسمان اور ستاروں کے راز کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔

جب میں نے آسمان کے راز سے پردے ہٹائے تو عرض و جوہر کی بحثوں میں اپنا کلام ہانکا۔

علت اور معلول کے چہرے کو میں نے کھولا۔ وحدت اور کثرت کی گرہیں میں نے کھولیں۔

اور شرعِ محمدی کے دست مبارک سے میں نے ارواح کو بحثوں اور عقول کے احکام کی اصلاح کی۔

اس دل فروز آفتاب کی تاب سے میں نے بہت سی تاریک راتوں کو دن بنا ڈالا۔

حتیٰ کہ علوی باپوں اور سفلی ماؤں تک سے میں واقف کار ہو گیا۔

اہل بصیرت کی پاکیزہ نظروں سے میں نے عناصر کے گل زار کو دیکھا ہے۔

دل کے نگہ بان کو میں نے بہت گھما گھما کر پانی اور مٹی کی بہار کا تماشہ کیا ہے۔

ہر صورت میں میں نے فنا کا مشاہدہ کیا ہے؛ اس لیے لاچار ہر ایک سے رخ موڑ لیا ہے۔

یہاں اور وہاں کی سوچ سے اپنے کو خالی کر کے بے نظیر ملت احمدی کی طرف

رُخ کیا ہے۔

میرا خیال آ کاش سے پاتال تک آیاتِ الٰہی کے اِسرار کے لیے بھرا ہے۔ طلب کی مشقت کو بہت برت کر شریعت پاک کے سر بستہ راز کے خزانوں کو حاصل کیا ہے۔

اور جب میں شریعت کے راز سے آگاہ ہوا تو سوائے ایک نقش 'اللہ' کے بیچ میں کچھ نظر نہیں آیا۔

پھر اس کے بعد اگلے اشعار میں ممدوح مکرم کی طرف اِلتفات کرتے ہوئے فرمایا۔

جب میں اپنے کمال کی بلندی پر پہنچا تو ایک عالی آستانہ پتھر کو بوسہ دیا۔

وہ پتھر شہ دین کے ایوان کا پتھر تھا جس کی حکومت اور قانون شریعت سے حاصل شدہ چیز تھی۔

وہ استاذ کی بارگاہِ عالی تھی جو بلندی کے کعبہ ہیں، حق کے جان کار، اور جواں مردوں کے لیے دلیل راہ ہیں۔

وہ بہنے والی بدلی ہیں، عطا کی بارش ہیں۔ ایسے بزرگ سردار ہیں جو کمال کی بلندی کا شکار کرنے والے ہیں۔

لڑائی کے شہ سوار اور دشمنوں کے مقابلے میں شیر ہیں۔ سخاوت میں کرم والے عطایا کی بارش ہیں۔

ایسے کریم ہیں کہ معانی کے شہر کے یوسف ہیں۔ امام غزالی ان کے فضل کی چراگاہ کے ہرن ہیں۔

وہ ایسے یوسف ہیں جو مصر معانی کے عزیز ہیں۔ جم کی حکومت ان کے سامنے کوئی قیمت نہیں رکھتی۔

صورت کے اعتبار سے بزمِ یوسفی کی شمع ہیں۔ معنی کے اعتبار سے امام

ابو یوسف کے ہمسر و ثانی ہیں۔

کمالات کے اعتبار سے اس وقت دنیا میں کوئی ان کا ہم پلہ نہیں۔کوئی پیشانی ان کی خاکِ در سے خالی نہیں ہے۔

ان کی درس گاہ کے شوق میں افلاطون ایسا دل رکھتا ہے جو خون سے بھرے ہوئے پیالہ کی مانند ہے۔

ان کے باغ سے ارسطو سبق لیتا ہے۔اور ان کے سامنے بوعلی بن سینا شاگردی کا زانو تہ کرتا ہے۔(الخ)

قاضی غلام مخدوم عباسی چریا کوٹی (م ۱۲۵۵ھ) کی ایک معروف غزل کی زمین میں بھی آپ نے ایک شگفتہ غزل برجستہ کہی ہے، جو آپ کی زود گوئی کی زندہ مثال ہے۔اس کے چند اشعار تاب دار دیکھیں ۔

نہ آں پیالہ نہ آں مے نہ آں چمن باقی ست
مگر زبے خودیم قصہ کہن باقی ست

چناں گداختہ ام من کہ غیر یاد تو نیست
زمن ہر آنچہ در آغوشِ پیرہن باقی ست

بہرچہ داد خداوند شادم و لیکن
درونِ دل ہوسِ طائف و یمن باقی ست

خجل زمنت دشنام تو شدم اے جاں
کہ بر زبانِ تو زیں حیلہ یادِ من باقی ست ☆

☆ تذکرہ علمائے ہند مترجم: ۳۲۱۔

یعنی نہ وہ گلشن، نہ وہ پیالہ، نہ وہ بادہ باقی ہے؛ مگر میری بےخودی کا پرانا قصہ باقی ہے۔ میں اتنا بکھل گیا ہوں کہ تیری یاد کے سوا کچھ نہیں، میرا جو کچھ پیراہن کی گود میں باقی ہے۔ جو کچھ خداے تعالیٰ نے دیا اس سے میں خوش تو ہوں لیکن دل میں سرزمین مقدس طائف ویمن کی خواہش باقی ہے۔ جان من! تیری بدگوئی کے اِحسان سے میں شرمندہ ہوں؛ کیوں کہ تیری زبان پر اس حیلہ سے میری یاد باقی ہے۔

زودنگاری اور برجستہ گوئی میں قافیہ وردیف کے درمیان باہم معنی رشتہ پیدا کرنے کا ہنر اسی وقت آتا ہے جب ذہن وفکر کو جاں گسل، دل سوز اور استخواں شکن تجرباتِ سخن کی بھٹی میں تپایا گیا ہو، خونِ جگر سے عارضِ فن کا گلگونہ تیار کیا گیا ہو، مشق ومزاولت کے دریاے زہر سے آبِ حیات پینے کا حوصلہ مردہ نہ ہوا ہو، خیالات کے بپھرے ہوئے طوفان کو اپنے لفظوں کے سفینے میں ڈبو دینے کی صلاحیت، جس فطری شاعر نے اپنی سرعت ذہنی کی مدد سے حاصل کرلی ہے، وہی دراصل تنقید وتجزیہ کے حسابِ کم وبیش کے محشرستان اور امتحان گاہِ فن میں کھرا اُترتا ہے۔ جگر کاوی اور عرق سوزی کے بغیر بہترین شاعری کی وہ کنجی ہاتھ نہیں لگتی جس کی مدد سے حقیقتوں کے دروازے وا ہوتے ہیں اور طلسماتی گنجینہ معانی کے زنگ آلود قفل آسانی سے کھلتے ہیں۔

تجربہ بتاتا ہے کہ علم اور فن وہ ٹیڑھی کھیر ہوتے ہیں جو عمر عزیز کا بہترین حصہ لینے کے بعد ہی اپنا کچھ حصہ کسی کے حوالے کرتے ہیں؛ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہی تھوڑا سا حصہ جس کو حاصل ہو جائے وہی ایوانِ نام وری کا اونچا مینار قرار دیا جاتا ہے۔

آپ کے عربی قصائد ومناقب کا تو کیا کہنا، انھیں پڑھنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی صاحب زبان شاعر لکھ رہا ہو، اور کوئی عربی نژاد سلک گہر میں لولو وعقیق جڑ رہا ہو۔ ابتداے تذکرہ میں معروف شعراے عرب کے تتبع میں لکھا ہوا مولانا کا ایک عربی

قصیدہ ہم پیش کر چکے ہیں۔ یہاں نعت ومنقبت پر مشتمل چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

سبحان من خلق القلم ✿ خلق البرايا والامم
و سقى الخمائل بالديم ✿ وخفى المثالب بالكرم
بعث النبي المصطفىٰ ✿ خير الكرام المجتبىٰ
من جاب ليلا بالسُّرىٰ ✿ سَوح السماء من الحرم
يا ربنا رب السماء ✿ صل على خير الورىٰ
وعلىٰ الهداة أولى النهىٰ ✿ من آله أهل الكرم
أكرم بمن زان البلد ✿ في الدين جاهد واجتهد
نعمانُ نعم المستند ✿ من حاد عنه فقد ظلم
يا من إلى خيرٍ هُدي ✿ لُذ بالكريم السيد
غوث الأنام المرشد ✿ بحر المعارف والحكم
وارحم عبادک من جنى ✿ ممن أطاع المصطفىٰ
وعرا حماک وقد همى ✿ عيناه من دمع الندم ☆

مولانا موصوف انگریزی زبان پر بھی دستگاہ رکھتے تھے۔اس کا ثبوت ذیل کے واقعہ سے ہوجاتا ہے۔مولانا محمد مزمل دانش چریاکوٹی کا بیان ہے کہ ایک انگریز اسکالر مسٹر ڈیو ہرس نے مولانا فاروق سے باقاعدہ سبقاً سبقاً عربی پڑھی تھی۔اسے اتنی عربی آگئی تھی کہ انگلینڈ واپسی پر کیمبرج میں ہیڈ آف دی عربک ڈپارٹمنٹ مقرر ہوگیا۔اور پھر برابر اُستاد سے خط وکتابت رکھی۔وہ اَدباً مولانا کو'استاذ'،'والدی' اور اُن کے خلف الرشید مولانا اَمین کو'اخی' کے لفظ سے مخاطب کیا کرتا تھا۔(۱)

☆ الخطب الحنفیہ فی المواعظ الحسنۃ البہیۃ: ۲۶ تا ۲۹، مطبوعہ انوار احمدی الہ آباد۔

(۱) سہ ماہی اسلام اور عصر جدید، نئی دہلی، جولائی ۱۹۷۳ء: ص ۸۶۔

مولانا عبدالاوّل جونپوری نے کچھ ایسی نابغۂ روزگار شخصیات کے اسمائے گرامی نوٹ فرمائے ہیں جن سے اُن کی جسمانی ملاقات اور روحانی موانست وتعلق قائم ہے، اور جن کے وجود سے چودھویں صدی کو بہت بڑا فخر واِعزاز حاصل ہے، اُن میں صوفی ومنطقی مولانا محمد فاروق عباسی چریا کوٹی کا نام نامی بھی درج ہے۔(۱)

ظاہر ہے ایسے معقولی ومنقولی عالم ربانی کے خوانِ علم سے حصہ پانے والے اپنے وقت کے آفتاب وماہتاب نہ ہوں گے تو اور کیا ہوں گے!۔ مولانا کے تلامذہ ومستفیدین میں علامہ شبلی نعمانی......، سید سلیمان ندوی......، مولانا عبدالاحد شمشاد فرنگی محلّی (لکھنوی)......، مولانا جواد بہاری......، اکبر الہ آبادی......، مولانا عبد الباری فرنگی محلّی......، مولانا جمال الدین افغانی......، جسٹس محمود احمد......، جسٹس سر شاہ محمد سلیمان ......، جسٹس سر سید عبد الرؤف ......، مولانا عظمت اللہ فرنگی محلّی......، مولانا عزت اللہ فرنگی محلّی......، شاہ سلیمان پھلواروی......، عبدالوہاب بہاری منطقی......، مولانا عثمان فلسفی......، مولانا احمد حسن کان پوری......، علامہ اقبال سہیل......، حکیم نابینا...... اور آزادی کے بطل جلیل ڈاکٹر مختار احمد انصاری کے نام ملتے ہیں۔ ان میں سے سب کے سب اپنی علمیت وشخصیت کے اعتبار سے اپنے اپنے دور میں ایک اِدارہ کی حیثیت رکھتے تھے۔(۲)

جسمانی یادگار میں محل اول یعنی مولانا کامل نعمانی ولید پوری کی صاحبزادی سے دو صاحبزادے ہوئے: شمس العلماء مولانا محمد امین، اور مولانا محمد مبین صاحب کیفی چریا کوٹی۔ دوسری شادی مولانا نے غازی پور کے محلّہ بر برہنہ میں کی تھی جس سے کئی صاحب زادے ہوئے؛ مگر ان میں سے عربی ودینی تعلیم صرف ایک نے پائی، اور وہ تھے

---

(۱) مفید المفتی معروف بہ 'فقہ اسلامی' از: مولانا عبدالاول جونپوری: ۱۴۹، ۱۹۶۔

(۲) ماہنامہ تلاشِ لفظ، دہرہ دون، بزمی چریا کوٹی، فروری ۱۹۸۱ء: ص ۱۳۔

مولانا محمد یٰسین عباسی علیہ الرحمہ۔ ان تینوں صاحب زادوں نے از اوّل تا آخر اپنے والد مرحوم ہی سے پڑھا، اور نامور علما واُدبا میں ہوئے۔(۱) اور اس کتاب میں انھیں تینوں باکمال وعظیم بیٹوں کا تذکرہ بالتفصیل کیا گیا ہے۔

۲۸/ اکتوبر ۱۹۰۹ء۔ ۱۳/ شوال - ۱۳۲۷ھ- کو فضل وکمال کا یہ ستارہ ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ (۲) آپ شہر غازی پور سے متصل گاؤں دھاوا شریف کی خانقاہ کے باہر ایک کھلے اِحاطے میں عارف باللہ مولانا حافظ ابواسحٰق محدث لہراوی ابن حضرت سید گرم شاہ دیوان علیہما الرحمہ کے قدموں میں مدفون ہیں۔ حال ہی میں جب ہم آپ کے مزار کی زیارت کے لیے پہنچے تو اِنتظامیہ کی لاپرواہی اور بے کسی کی حالت میں ایک کونے میں پڑی آپ کی قبر دیکھ کر بے اختیار پلکیں بھیگ گئیں کہ ’خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہوگئیں‘۔ کچھ لوگوں نے وہیں پر مجھے بتایا کہ مولانا فاروق عباسی نے دمِ آخر حضرت شیخ محدث کے قدموں میں دفن ہونے کی وصیت کی تھی؛ چنانچہ ان کی خواہش کی تکمیل میں وہاں ان کی تدفین عمل میں آئی۔

گویا جیتے جی تو مولانا نے قال اللہ وقال الرسول کا مشغلہ جاری ہی رکھا، پس مرگ بھی ایک عظیم محدث کے قدموں میں آرام گزیں ہوکر علم وکمال کے سرمدی اَنوار وفیوض سے شادکام ونہال ہورہے ہیں۔ ع: خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

علامہ شبلی نعمانی نے ماہنامہ الندوہ، جلد ۶ نمبر ۹ میں آپ کے سانحہ ارتحال کو بڑے دکھی قلم سے ’ایک اور آفتابِ علم غروب ہوگیا‘ کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔

---

(۱) حاشیہ حیات شبلی: ۹۰۔

(۲) نزہۃ الخواطر، حکیم عبدالحئی رائے بریلوی: ۱۳۷۱۔ مطبوعہ دار ابن حزم ...... علماء العرب فی شبہ القارۃ الہندیۃ، شیخ یونس السامرائی: ۸۵۲ مطبوعہ وزارۃ الاوقاف العراقیہ۔ ۱۹۸۶ء ...... تذکرۂ مشاہیر غازی پور: ۲۸۲ ...... غازی پور کا اَدبی پس منظر، عبیدالرحمٰن صدیقی غازی پوری: ۱۷۴۔

(اور میرے ناقص علم کے مطابق یہی علامہ کی اپنے استاد کی بابت اوّل اور آخر چند سطری تعزیتی تحریر ہے) جس میں وہ لکھتے ہیں :

'ہندوستان میں قدیم تعلیم کی یادگاریں اس قدر کم ہوگئی ہیں کہ گویا کچھ نہیں رہیں، تاہم اس وقت تک ہندوستان کے علمی اُفق میں جو روشنی ہے اسی تعلیم کی ہے۔ فقہ، اصولِ حدیث، تفسیر، ادب اور کلام کا کوئی مشکل مسئلہ آج دریافت کرنا ہو تو نئی نسلیں بالکل بے کار ثابت ہوں گی، اس بنا پر جب اس قدیم عمارت کا کوئی ستون گرتا ہے تو دل کانپ جاتا ہے کہ اَب کیا ہوگا!۔ اَساتذۂ قدیم میں سے صرف دو شخص باقی رہ گئے تھے، مولانا لطف اللہ صاحب اور مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی، اور افسوس کہ ان دو میں سے بھی ایک نے اپنی جگہ خالی کردی۔ یعنی مولانا محمد فاروق صاحب نے۔ ۲۸/ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو آپ نے انتقال کیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔(۱) ☆

(۱) الندوہ جلد ۶ نمبر ۹ ماہ اکتوبر ۱۹۰۹، مطابق رمضان ۱۳۲۷ھ...... مقالاتِ شبلی جلد ہشتم: ۴۲۔

☆ جس اُستاد کی تعلیم و تربیت نے ذرّے کو آفتاب بنانے اور قطرے کو قلزم تک پہنچانے کا سفر طے کروایا تھا، اس کا حق تھا کہ اپنے موقر اُستاذ اور نابغہ روزگار مربی کی تفصیلی سوانح اور ان کی حیات و خدمات کے وقیع گوشوں کو نہ صرف چند سطری رپورٹ بلکہ ایک مستقل کتاب کی شکل میں قلم بند کر کے شائع کرتا؛ کیوں کہ زبان و بیان کی بوقلمونیت سے اسے حصہ وافر عطا ہوا تھا، جیسے اس نے خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروق کی شان میں 'الفاروق' لکھ کر خراجِ عقیدت پیش کیا تھا، اس کا فرض تھا کہ اپنے محسن اُستاذ کی سپاس گزاری میں 'الفاروق' نامی ایک اور کتاب لکھتا تا کہ مولانا چریاکوٹی کی حیات کے نقوش و کارنامے پردۂ عدم سے نکل کر منصۂ شہود پر آتے؛ مگر افسوس کہ علامہ فاروق کے بارے میں شبلی نعمانی کی اس تعزیت نامے سے زیادہ ہمیں کوئی تحریر نہیں ملتی، اسے علمی اصطلاح میں کیا نام دیا جائے علمائے اعلام ہی اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں!۔ -قادری چریاکوٹی-

آپ کے سانحہ اِرتحال پر مولانا احمد مکرم عباسی چریاکوٹی نے ایک بڑا پُرمغز اور بصیرت افروز تفصیلی قصیدہ رقم کیا ہے، جو قصیدہ کے ساتھ ساتھ مولانا کی بہترین اور مستند فارسی منظوم سوانح حیات بھی ہے، اس موقع پر اس کا ذکر کردینا قارئین کے لیے یقیناً اِفادے سے خالی نہ ہوگا۔

مرثیۂ جناب مولوی محمد فاروق صاحب عباسی چریاکوٹی

اُستادِ اَساتذۂ ہند- رحمۃ اللہ علیہ-

با مداداں آمدہ بادِ سحر ❁ گفت ازمن ہیچ می داری خبر

کہ بہارِ بوستانِ علم وفضل ❁ آہ پامالِ خزاں شد سر بسر

عندلیباں در چمن اندوہ ناک ❁ گل نہ بلبل ہم فزوں افسردہ تر

زلف خودکردہ پریشاں سنبل است ❁ می دہد غنچہ ز بے تابی خبر

سرو ازغم خامش استادہ حزیں ❁ زار نالاں نغمہ سنجانِ سحر

نیست درگلشن بجز شوروفغاں ❁ بوستاں گشتہ زخارستاں بتر

باغباں در باغ با حال تباہ ❁ دیدہ گریاں سینہ کوباں بیشتر

گفتم از حیرت کہ آخر اے نسیم ❁ از برائے کیست ایں ماتم مگر

خامشی بگزید و پاسخ بر نداد ❁ جامہ از در اشک کردہ تربتر

سرآہے از جگر آورد وگفت ❁ حیرت استم گر ندانی ایں خبر

کاں چراغ دودۂ عباسیاں ❁ بلکہ شمع دودۂ علم وہنر

مولوی فاروق علام ادیب ❁ ❁واقف طب ماہر فن سیر

اُستادِ اوستادانِ زمن ❁ کامل تاریخ وتنجیم وجفر

درحساب وکیمیا وسیمیا ❁ ہم باصطرلاب زارباب بصر

در قلیدس در مساحت در اُکر ❁ ہم ز حالات کواکب باخبر
در اصول وفقہ و تجوید وکلام ❁ در حدیث وسنت خیر البشر
ہیأت وتفسیر ومعنی وعروض ❁ قرء ت وآثار اصحابِ خیر
نحو وصرف وہم اسانید ولغات ❁ از لیاقت بر سر او تاج زر
منطق واخلاق واسماء الرجال ❁ ہم بلاغت ہم سیاست ہم نظر
بود در ہر علم وفن استادِ وقت ❁ سادگی در وضع وفرخندہ سیر
بود از حکمت مناسب طبع او ❁ ❁در عقائد داشتی غائر نظر
سن ہزار ودوصدوپنجاہ وچار ۱۲۵۴ھ مولدش از ہجرت خیر البشر
در چریاکوٹ شد میلاد او ❁ کاہل قصبہ از وجودش مفتخر
رحمت اللہ نبیل لکھنوی ❁ در فن ہیأتش اُستاد ہنر
زاہدیہ حاشیہ ملا جلال ❁ او بخواند از بوالحسن والا گہر
در اُصول ودر ہدایہ مستفید ❁ شد زمفتی یوسف فرخ سیر
غیر ازیں معدود چند اجزاے علم ❁ خواند کازاغیار واَعلام دگر
از اخِ خود کرد تحصیل علوم ❁ با عنایاتِ رسولِ معتبر
عمر او زائد نبود ازہیجدہ ❁ بست دستارِ فضیلت را بسر
فطرتے شوقش بداز تدریس ودرس ❁ زاں شدہ مشہور برسانِ عمر
باہمہ علم وکمال وشوقِ درس ❁ با عبور ووسعت فضل وہنر
.... ❁ حافظہ ما فوق العادۃ از بشر
قوتِ یاد او تحدی داشتی ❁ معجزہ خواندندش ارباب نظر
ہر کتاب علم وفن مستحضرش ❁ خواہ درسی باشد وخواہ آں دگر

شہرتش اقصاے عالم را گرفت ۞ ہمچو صیت ملت خیر البشر
کان پور وشہسرام وجون پور ۞ مختلف اوقات او را مستقر
روزہا بلیاش جاے درس بود ۞ باہمہ جاہ وجلال وبا اَثر
ہرطرف از فیض او گشتہ رواں ۞ در زمانہ چشمہ علم وہنر
زینت بزم ادب در لکھنو ۞ ندوۃ العلماء بذاتش مفتخر
گوئیا در عالم علم وکمال ۞ نام پاکش ورد ہر فردِ بشر
اشرف العلماء استاذ العلوم ۞ مثل او در ہند کے آید نظر
کان حج البیت حجا تاما ۞ زار قبر المصطفیٰ خیر البشر
در تصوف راہ ہا طے کردہٖ ۞ گو نہ چوں شبلی وشیخ پیر گر
در ادب ہمپاے اعلام حجاز ۞ بزم علم وشعر بے او بے وقر
مدرس او مرجع طلاب دہر ۞ بلکہ بود آں کعبہ علم وہنر
ہرکجا ماندے بدے مطلوب عصر ۞ ہر کجا رفتے شدے مخدوم وسر
مایۂ نازش چریاکوٹ را ۞ حملہ اعداے ملت را سپر
از کتب باقی کتابے ہر نماند ۞ کہ مرا درورا در نیامد در نظر
سر ز شاگردیش بر افراختہ ۞ عالمانِ ایں زمانہ بیشتر
شیخ شبلی کز مشاہیر است او ۞ ہست از ادنیٰ تلامیذش مگر
در جماہیر اُمم مقبولِ عام ۞ وز مشاہیر زمن مشہور تر
باز از خاکِ چریاکوٹ نون ۞ بر نخیزد ہمچو شیخ نامور
آہ کایام وزمانہ بے وفا است ۞ مامِ گیتی را نہ مہر است بر پسر
آخر آں علامہ مقبول ما ۞ کردہ از ہفتاد وسہ منزل گذر

سن ہزار ونہ صد و نہ عیسوی ۱۹۰۹ء بست و ہشت اکتوبر ووقت سحر
سیزدہ تاریخ از شوال ماہ ❁ پنج شنبہ روز واز عام قمر
در ہزار وسہ صد وہم بست وہفت ۱۳۲۷ھ بست سوے آخرت رخت سفر
در محلّہ دھایہ غازی پور شہر ❁ ہست مدفوں چوں بخاک اندر گہر
خانۂ علم وسخن شد بے چراغ ❁ شد نمایاں حسرت از دیوار ودر
رفت از دنیا سوے باغِ بہشت ❁ دوستاں را خاکِ ماتم شد بسر
ماتم عامش مپرس ازمن کہ چونست ❁ ابر از غم خون بارد سر بسر
دیدہ ایں ساں شیون وآہ وبکا ❁ ساکنانِ چرغ گویند الحذر
رفت او پس عالمے تاریک گشت ❁ کآفتابے بود او تابندہ تر
ناگہاں آمد گروہے از ملک ❁ زاوج گردوں صف بصف وبے خطر
با مسرت گفت از من مرحبا ❁ مرحبا یا من لنا نور البصر
آمدیم از عرش تا مژدہ دہیم ❁ مر ترا اے باپ را نورِ نظر
مولوی فاروق عزیز پاک تو ❁ شد ورا در باغِ جنت مستقر

جز بہ عشرت کام اودر خلد نیست

درمیانِ حور وغلماں سربسر☆

☆ متفرقاتِ مکرم، قلمی نسخہ: ۱۶۶تا۱۷۱۔

پہلا فرزند اَرجمند

ابوالمعانی مولانا محمد مبین کیفیؔ عباسی چریاکوٹی

قصبہ چریا کوٹ، اعظم گڑھ اور غازی پور کے وسط میں ایک ایسا مردم خیز اور علم اَفروز خطہ ہے جہاں سے صدیوں حکمت واَدب کی خدمت وآبیاری اور فکر ونظر کی طہارت وپاکیزگی کا سامان ہوتا رہا ہے۔علماے چریا کوٹ کی علمی وفکری اور تحقیقی وسائنسی خدمات واِنکشافات کا ایک زمانہ معترف ہے۔

اس مٹی سے جہاں نامور علما وفضلا، مشایخ وصوفیہ اور حکما ومفکرین اُٹھے ہیں وہیں شعروبیان کی زلفیں سنوارنے اور اَدبی ذخائر میں قابل قدر اِضافہ کرنے والے بالغ نظر اور نکتہ سنج جید شعرا واُدبا بھی اُبھرے ہیں۔علامہ کیفیؔ چریاکوٹی اسی زرّیں سلسلے کی ایک تابناک کڑی ہیں۔

میکدۂ کیفی کے مرتب حافظ علی حسن صاحب لکھتے ہیں :

’سحبان الہند حضرت علامہ کیفی چریاکوٹی کا خاندان اور ذات جس طرح فضل وکمال کا آفتاب مشہور ہے اسی طرح ملک تصوف وطریقت کی تاجداری بھی اس خاندان کا طرۂ امتیاز ہے۔جس طرح ملک کا گوشہ گوشہ علماے چریاکوٹ کے فیوض وبرکات سے مالا مال ہے اسی طرح برکاتِ تصوف سے بھی منور ودرخشاں ہے۔جس طرح حضرت حکیم العصر مولانا عنایت رسول چریاکوٹی (مولانا کیفی کے عم محترم) نے اپنے شاگرد سرسید

احمد خان اور ان کی نمونۂ سعی وجہد علی گڑھ کالج یا مسلم یونیورسٹی سے ہندوستان کے مسلمانوں کو رہین منت کیا ہے، اور حضرت شیخ الشیوخ مولانا محمد فاروق چریا کوٹی (مولانا کیفی کے والد ماجد) نے اپنے فخر روزگار تلمیذ مولانا شبلی اور ان کی مساعی کی یادگار ندوۃ العلماء کے ذریعہ سے اس صدی کے علما میں نئی روح پھونک دی، اسی طرح حضرت چراغِ ربانی، غوث الوقت مولانا شاہ محمد کامل (مولانا کیفی کے نانا) نے انوارِ تصوف سے ہندوستان کو روشن کر دیا ہے...... گویا مولانا کیفی کے خاندانِ طریقت وشریعت کے دو سمندروں نے براعظم ہندوستان کو گھیر لیا ہے‘۔(۱)

معروف اَدیب وفاضل، ناقد وصحافی، اور محقق ودانش ور مولانا محمد مبین عباسی کیفی چریا کوٹی مولانا محمد فاروق عباسی چریا کوٹی کے صاحب زادے، فیلسوفِ اسلام مولانا عنایت رسول عباسی چریا کوٹی کے بھتیجے، شمس العلما مولانا پروفیسر محمد امین عباسی کے چھوٹے بھائی، اور چراغِ ربانی مولانا محمد کامل نعمانی آبادانی ولید پوری علیہ الرحمہ کے چہیتے نواسے تھے۔

آپ کی ولادت ۱۸۹۰ء/۱۳۱۰ھ میں قصبہ ولید پور اپنی نانیہال میں ہوئی۔ اور ایک قول کے مطابق آپ کا تولد ۱۸۶۰ء مطابق ۱۲۷۷ھ کو مشرقی اُتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ کے مردم خیز قصبہ چریا کوٹ میں ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب

نانا جان چراغِ ربانی مولانا کامل نعمانی آبادانی ہی کی آغوش میں آپ کی تربیت ہوئی، اور فقیری ودرویشی میں شاہی وشہنشاہی دیکھی۔ تعلیمی دور کا آغاز بھی انھی کی نگرانی میں ہوا۔ اس کے بعد اپنے والد گرامی کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے، اور ۱۹۰۶ء میں ۱۶ سال کی عمر میں آپ نے فارسی، عربی، بھاشا، فلسفہ، حدیث، فقہ، منطق، ریاضیات،

(۱) میکدۂ کیفی، حافظ علی حسن، مقدمہ، ا، ب، ج۔ مطبوعہ شانتی پریس، الٰہ آباد۔ ۱۹۲۹ء

ادب، اور دیگر علوم وفنون کا تکملہ درسگاہِ فاروقی سے کیا۔ پھر اپنے تایا جان حکیم وقت، اقلیدس ثانی مولانا عنایت رسول سے ترکی، عبرانی اور سریانی وغیرہ زبانیں سیکھیں، علاوہ بریں انھی سے فلسفہ الٰہیات وطبعیات کا درس بھی لیا۔(۱)

۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۳ء تک گورکھ پور، رائے بریلی وغیرہ میں جاکر انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ فرانسیسی، جرمن، اور لاطینی زبانوں سے بھی واقفیت حاصل کی۔ اور وہیں کچھ دنوں خدماتِ جلیلہ انجام دیتے رہے۔ پھر ملک وملت اور علم وادب کی خدمت کا جذبہ لے کر میدانِ صحافت میں اُترے اور اپنی شاندار صحافت کا آغاز کرتے ہوئے کئی موقر اخباروں اور نامور رسالوں کی اِدارت کے فرائض انجام دیے۔ ان میں ماہنامہ 'العلم' (چریاکوٹ) اعظم گڑھ، 'سحبان' گورکھ پور، روزنامہ 'زمانہ' کلکتہ، روزنامہ 'انقلاب' کلکتہ، ہفتہ وار 'ترجمان' الٰہ آباد، روزنامہ 'خادم'، 'کلیم' اور ہفتہ وار 'استقلال' الٰہ آباد قابل ذکر ہیں۔

بتایا جاتا ہے کہ آپ نے علومِ عربیہ ودینیہ اور علومِ متداولہ معقولات ومنقولات کے حصول اور مختلف زبان وبیان کی نزاکت ولطافت اور مذاق کے اِدراک کے بعد اپنی خاندانی روایت تعلیم وتعلّم کے برخلاف سب سے پہلے میدانِ صحافت میں قدم رکھا۔ اپنی بے پناہ صلاحیتوں کی بدولت شہرت ومقبولیت کی منزلیں طے کیں اور اپنے دور کے معروف شاعر، اَدیب، صحافی اور فلسفی کی حیثیت سے علمی اُفق پر اپنی شناخت کا ایک معتبر حوالہ بن کر طلوع ہوئے۔

۱۹۱۶ء میں آپ نے 'دبستانِ چریاکوٹ' کی نمائندگی کی غرض سے اعظم گڑھ شہر سے ایک بلند پایہ علمی واَدبی ماہنامہ 'العلم' کا اجرا کیا جس میں اس دور کے مشاہیر علما وفضلا اور نامور شعرا وادبا کے ساتھ خصوصیت سے علما وفضلاے چریاکوٹ کے بہت ہی وقیع اور علمی

(۱) معاصرین اقبال کی نظر میں، از محمد عبداللہ قریشی: ۴۵۵، مجلس ترقی اَدب، لاہور

اعتبار سے بہت بلند پایہ رشحات قلم شائع ہوا کرتے تھے، جس کے باعث 'العلم' بہت جلد شہرت پذیر ہوگیا، بڑی برق رفتاری سے ترقی کے مدارج طے کرلیے، اور ماہرین علوم وفنون کی توجہ اپنی طرف مرکوز کرالی؛ مگر یہ رسالہ علامہ کیفی کی سیماب وشی کی نذر ہوکر صرف دوسال کی قلیل مدت میں (۱۹۱۸ء) موقوف ہوگیا۔

بعض واقف کاروں کے بقول ماہنامہ 'العلم' دارالمصنّفین کے ترجمان ماہنامہ 'معارف' کے مقابلے میں نکالا گیا تھا۔ کیوں کہ دارالمصنّفین کے ارباب حل وعقد نے خطہ یونان چریاکوٹ کے ارباب علم وفضل کے علمی کمالات کو نظر انداز کرنا شروع کردیا تھا۔ 'العلم' کی خصوصیات اور اس کی پالیسی کے بارے میں مولانا کیفی نے جو لکھا ہے اس سے بھی اس سلسلے میں ایک ہلکا سا اِشارہ ملتا ہے۔ مولانا اِداریہ میں لکھتے ہیں :

> 'العلم' صرف ان لوگوں کا محتاج نہ ہوگا جو محض اُردو کو معیارِ قابلیت سمجھتے ہیں بلکہ رسالہ مختلف علوم وفنون کا جولان گاہ رہے گا۔ اس میں بالالتزام عربی، فارسی، اُردو، انگریزی، ہندی، بھاشا، اور سنسکرت کے اہم مضامین فلسفہ، منطق، اَدب، ریاضی، ہیئت، تفسیر، حدیث، تصوف اور تاریخ کے پیچیدہ مسائل زیر بحث رہیں گے۔ دلچسپ سوانح عمریاں اور دل کش مضامین خاص طور پر مدنظر رہیں گے۔ معمولی نظمیں درج 'العلم' نہ ہوں گی۔ حصہ نثر بھی یہی خصوصیات مطمح نظر رکھے گا بالخصوص استاذ الاساتذہ، شیخ الوقت مولانا قاضی محمد فاروق چریاکوٹی اور افلاطونِ وقت، ارسطوے زماں مولانا عنایت رسول چریاکوٹی رحمۃ اللہ علیہما، علاوہ اور علماے چریاکوٹ سابق وحال کے مضامین، نظم ونثر خاص طور پر عزت افزاے 'العلم' ہوں گے۔(۱)

---

(۱) اِداریہ 'العلم' اعظم گڑھ۔ محمد مبین کیفی عباسی چریاکوٹی۔ ش۱، ج۱، مئی ۱۹۱۶ء۔ ص:۵

جن مقدس شخصیات نے ماہنامہ 'العلم' کی علمی فضا کو عام کیا اور اس کے فروغ واشاعت میں تعاون پیش کیا ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مدیر موصوف رقم طراز ہیں:

تقدس مآب جناب مولانا شاہ عبدالعلیم آسی سکندر پوری۔

جناب صوفی شاہ محمد جان سجادہ نشین درگاہ حضرت چراغ ربانی ولید پور۔

جناب مولانا محمد امین عباسی چریاکوٹی (خلف اکبر حضرت مولانا مولوی محمد فاروق عباسی چریاکوٹی علیہ الرحمہ) جوکہ علاوہ عربی وفارسی کے متبحر عالم ہونے کے انگریزی سے بخوبی واقف اور ترکی و سنسکرت میں زبردست فاضل ہیں۔

مولانا احمد مکرم عباسی (خلف مولانا مولوی محمد اعظم عباسی و نبیرۂ جناب مولانا مولوی نجم الدین عباسی چریاکوٹی) جوکہ اکثر علومِ مشرقی کے بےنظیر فاضل ہیں۔

جناب مولوی محمد معصوم صاحب کنّور (خلف جناب مولانا عنایت رسول عباسی) جوکہ ہندی برج بھاشا کے لاجواب شاعر ہیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

برادر مکرم مولوی محمد نصیر صاحب محی الدین پوری تلمیذ مولانا محمد فاروق ومولانا عنایت رسول علیہما الرحمہ۔

مولانا محمد جان صاحب بحری آبادی فاضل ادیب مدرس اول مدرسہ قراءت لکھنو۔

جناب مولانا مولوی محمد مصطفیٰ آثم ولید پوری وغیرہ (تفصیل کے لیے دیکھیں ماہنامہ 'العلم' اعظم گڑھ، ج ا، نمبر ا)(۱)

اس رسالے کی اہمیت ومقبولیت کا اندازہ اس سے بھی لگائیں کہ اس رسالے کی ایک کاپی جب شاعر مشرق علامہ اقبال کے ہاتھ لگی تو اس کے محاسن ومحامد کا اعتراف کرتے ہوئے ایک مکتوب مدیر محترم علامہ کیفی کے نام یوں تحریر کیا:

---

(۱) اقطابِ بنارس، مولانا عبدالمجتبیٰ صدیقی: ۲۰۰، ۲۰۱۔

لاہور،۱۲؍اگست ۱۹۱۶ء

جناب مولانا کیفی صاحب ایڈیٹر 'العلم' !

مخدومی ! السلام علیکم۔ رسالہ 'العلم' کے لیے ممنون ہوں۔ نہایت عمدہ رسالہ ہے۔ اس کے مضامین تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لیے نہایت مفید ہوں گے۔ مضمون 'الحیوانات فی القرآن' ☆ نہایت قابلیت سے لکھا گیا ہے، جسے میں نے خصوصیت سے پسند کیا۔ اسی مضمون پر ایک مغربی مستشرق نے بھی لکھا ہے جس کا عنوان ہے 'حیوانات کے نام سامی زبانوں سے' مجھے یقین ہے آپ کا رسالہ کامیاب ہوگا اور مسلمانوں کے لیے باعث برکت۔

محمد اِقبال

اس سے بڑی بات یہ ہے کہ ۱۹۱۸ء میں جب کسی وجہ سے یہ مفید رسالہ موقوف ہوگیا تو علامہ اقبال مرتے دم تک اس علمی رسالے کے دوبارہ اِجرا پر مولانا کیفی کو اُکساتے اور توجہ دلاتے رہے۔

پھر اس کے بعد اسی سال علامہ ۱۹۱۸ء میں ہفت روزہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کی ایڈیٹری کے لیے بلا لیے گئے، اور نیک نامی وشہرت کے ساتھ اس کو بامِ عروج پر پہنچایا۔ علامہ کیفی کی تقرری، ان کی تعریف وتوصیف اور ان کی قابلیت وصلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے مقتدیٰ خان شیروانی لکھتے ہیں :

'اب عالی جناب نواب آنریری سکریٹری صاحب بہادر نے اسٹاف میں مولوی محمد مبین کیفی چریا کوٹی کا تقرر فرما دیا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ اخبار

(۱) معاصرین اقبال کی نظر میں، از محمد عبداللہ قریشی: ۴۵۷ تا ۴۵۸، مجلس ترقی اَدب، لاہور

☆ یہ مضمون علامہ کیفی کے بھائی سیف العلم مولانا محمد یٰسین عباسی چریا کوٹی کا تحریر کردہ ہے۔

وقت پر شائع ہوتا رہے گا۔ صاحب موصوف مولانا عنایت رسول چڑیا کوٹی مرحوم کے برادرزادہ اور مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی مرحوم کے صاحب زادہ اور مولوی محمد امین عباسی مقدمہ نگار جواہر خسروی کے بھائی ہیں، اور اس طرح ان کو ہمارے کالج کی علمی واَدبی تحریک کے ساتھ گہرا موروثی وخاندانی تعلق ہے، وہ خود بھی ایک ذی علم نوجوان ہیں اور مشہور رسالہ 'العلم' کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ توقع ہے کہ ان کے ہاتھوں کالج کے اخبار (علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ) کو خاطر خواہ رونق حاصل ہوگی۔ **لعل اللّٰہ یحدث بعد ذالک امرا**'۔(۱)

یہ انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ دراصل 'تہذیب الاخلاق' ہی کا دوسرا نام تھا؛ جسے کسی وجہ سے بدل دیا گیا تھا۔ مولانا نے اس گزٹ کو اپنی انتھک کوششوں سے معراجِ ترقی سے ہمکنار کردیا تھا؛ اس سلسلے میں مرسلہ از مرادآباد ایک خط ملاحظہ فرمائیں :

جناب مکرم! السلام علیکم، میں نے تہذیب الاخلاق کو دیکھا ہے، اسی کا نام بدل کر علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ہوا، تہذیب الاخلاق کی سی روشنی گزٹ میں پیدا نہ ہوسکی، اور یہی وجہ تھی کہ لوگوں کی توجہ اس کی جانب بہت کم ہوگئی؛ لیکن چند پرچوں کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ آپ کی ایڈیٹری میں (معاف فرمایئے، میں آپ کے اسم گرامی سے بھی واقف نہیں) اخبار بہت ترقی کر گیا ہے۔ اور اس میں تہذیب الاخلاق کا رنگ پیدا ہو چلا ہے۔ میں اس کامیابی پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں، کوشش کیے جایئے، ان شاء اللہ ملک میں قدر ہوگی۔(۲)

---

(۱) ماہنامہ تہذیب الاخلاق، جلد ۳۲، شمارہ ۲ فروری ۲۰۱۳ء۔ ص: ۵۵۔

(۲) علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ: ۱۵ جنوری، ۱۹۱۹، ج: ۱۹/۳، ص: ۴۔

لیکن یہ سلسلہ بھی دو سال سے زیادہ جاری نہ رہ سکا۔ یعنی جس طرح 'العلم' اپنی محبوبیت ومقبولیت کے دیرپا اَثرات چھوڑ کر صرف دو بہاریں دیکھ کر بند ہوگیا تھا، اسی طرح انسٹی ٹیوٹ گزٹ بھی اپنی عمر کی صرف دو بہاریں دیکھ کر بند ہوگیا۔

ان حوادث سے پیہم متاثر ہوکر علامہ نے ۱۹۲۰ء میں نہایت سرگرمی کے ساتھ قومی تحریکوں میں حصہ لینا شروع کردیا۔ تھانہ چوراچوری ضلع گورکھ پور کا مشہور واقعہ علامہ اور آپ کے رفیقوں کی رہ نمائی ہی میں پیش آیا تھا۔(۱)

دوایک سال بعد پھر طبیعت صحافت کی طرف مائل ہوئی اور گورکھ پور سے ۱۹۲۱ء میں ایک علمی، ادبی، سیاسی اور مذہبی مجلّہ 'سحبان' جاری کیا۔

اس رسالے کی مقبولیت وپذیرائی کو دیکھ کر مولانا اکرام خان نے علامہ کو کلکتہ بلالیا، جہاں سے روزنامہ 'زمانہ' علامہ کی ادارت میں نہایت آب وتاب کے ساتھ اُفقِ صحافت پر جلوہ ریز ہوا، جس کی تابانی نے حکومت برطانیہ کی آنکھیں خیرہ کردیں، اور پھر اس اخبار کو انگریزوں نے قومی تحریکوں کی پرزور حمایت کرنے کے الزام میں بند کردیا۔

پھر اس کے بعد ۱۹۲۵ء تک الٰہ آباد کے معروف روزنامہ 'انقلابِ زمانہ' کو سید سجاد حسین کی معیت میں اپنے ادارتی مقالے کے ساتھ شائع کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک مزاحیہ ہفتہ روزہ 'بق چوں چوں' بھی نکلتا رہا جس کے ایڈیٹر بھی علامہ ہی تھے۔

۱۹۲۷ء میں الہ آباد میں ہندوستان اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا۔ تو اس کے سرپرست سرتیج بہادر سپرو اور ہندوستان کے پہلے چیف جسٹس ہائی کورٹ الہ آباد ڈاکٹر سرشاہ محمد سلیمان بھیروی نے علامہ کی علمی قابلیت، تحقیقی مہارت، سیاسی بصیرت اور زبان دانی کی

---

(۱) معاصرین اقبال کی نظر میں، از محمد عبداللہ قریشی: ۴۵۵، مجلس ترقی اَدب، لاہور

شہرت سے متاثر ہوکر ہندستانی اکیڈمی، صوبہ متحدہ، الہ آباد میں آپ کو اردو اسکالر کی حیثیت سے شمولیت کی دعوت دی، جسے آپ نے قبولیت سے نوازا اور تقریباً ۱۲؍سال تک اکیڈمی سے وابستہ ہوکر تصنیف وتالیف اور تحقیق وتشریح کا وقیع اور پائیدار کام شروع کیا۔(۱)

دراصل ہندوستانی اکیڈمی نے اردو شاعروں کے کلام (مع حیات وخدمات) کا ایک انسائیکلوپیڈیائی انتخاب شائع کرنے کا اِرادہ کیا؛ مگر یہ زہرہ گداز کام کرے کون؟ تو اس کے لیے مولانا مبین جیسا باذوق اِسکالر منتخب ہوا جس نے کئی سال کی محنت شاقہ کے بعد 'جواہرِ سخن' کے نام سے یہ انتخاب تیار کرکے اسے سات جلدوں میں ترتیب دیا۔ اس میں اُردو زبان کے شاعروں اور ادیبوں کا حالات اور ان کے کلام پر نہایت جچا تلا تبصرہ ہے۔ ہندوستان اکیڈمی نے اس کی صرف چار جلدیں شائع کی ہیں۔(۲)

۱۹۳۸ء تک علامہ اس اہم کام کو بڑی کاوش وجاں فشانی اور دماغ سوزی سے سرانجام دیتے رہے۔ شب وروز کی محنت شاقہ نے آپ کی صحت کو بری طرح متاثر کیا، جس سے آپ کی صحت روز بروز خراب ہوتی گئی، اور بالآخر وطن مالوف 'چریا کوٹ' لوٹ آئے۔(۳)

۱۹۴۰ء میں ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان نے البیرونی کی مشہور کتاب 'قانون مسعودی' -جو نجوم وفلکیات پر مستند ترین کتاب ہے- کا اردو میں ترجمہ کرنے کے لیے علامہ کو علی گڑھ بلوایا۔ علامہ نے بس کام شروع ہی کیا تھا کہ سر شاہ محمد سلیمان کا انتقال ہوگیا۔

---

(۱) تذکرۂ شعرائے اتر پردیش، عرفان عباسی، جلد دوم: ۲۶۳۔ نظامی پریس لکھنو، اشاعت اول ۱۹۸۲ء

(۲) جواہر سخن، جلد دوم، دیباچہ از: مولوی سید مسعود حسن رضوی۔ مطبوعہ ہندوستانی اکیڈمی، صوبۂ متحدہ الہ آباد...... معاصرین اقبال کی نظر میں، از محمد عبداللہ قریشی: ۴۵۶ مجلس ترقی اَدب، لاہور

(۳) سہ ماہی اسلام اور عصر جدید، نئی دہلی، جولائی ۱۹۷۳ء: ص ۹۳۔

۱۹۴۲ء میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین نے لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اردو، فارسی، ہندی، انگریزی، سنسکرت اور ترکی قلمی کتابوں کا کیٹلاگ تیار کرنے کے لیے مدعو کیا۔ علامہ خرابی صحت کے باوجود کام کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے تشریف لے گئے، اور تقریباً تین سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

علامہ کے بہت سارے خطابات میں ایک خطاب 'سحبان الہند' بھی تھا۔ ہوا یہ کہ علامہ نے 'النار' نامی عربی میں ایک کتاب تصنیف فرمائی، جسے تاثرات لینے کے لیے مصر بھیج دیا۔ اس کتاب کو مصری ادبا وشعرا اور دانش وروں کے علاوہ وہاں کے علما وفضلا نے بھی بے حد پسند کیا، اور علامہ کو 'سحبان الہند' کے خطاب سے نوازا۔(۱) جب کہ اس سے قبل علامہ کو 'مفکر اسلام'، اور 'نقیب الملۃ' کا خطاب ہندی دانش ور دے چکے تھے۔

علامہ کیفی چریاکوٹی اپنے والد مولانا فاروق کی طرح بے نیازانہ زندگی گزارنے کے عادی رہے، اور 'یک در گیر محکم گیر' کا کوئی فلسفہ ان کے ذہن وخیال میں نہ تھا۔ اسی لیے علم وقابلیت کے وہ جتنے بڑے پہاڑ تھے اس تناسب سے تصنیفی کام کی رفتار بہت کم رہی۔ تاہم ان کی تصانیف تعداد میں کم ہونے کے باوصف علمی اعتبار سے بہت بلند پایہ اور وقیع حیثیت رکھتی تھیں۔ آپ نے مندرجہ ذیل کتب یادگار چھوڑیں:

تفسیر نفیس۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

فلسفہ سیاستِ اسلام۔ یہ کتاب بارہ سو صفحات پر مشتمل ہے جو اسلامی فلسفہ و مذہب پر بہت گراں قدر کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب دس برس کی محنت شاقہ کے بعد مکمل ہوئی۔ مطبوعہ لاہور۔

فلسفہ عمر۔ فرانسیسی کتابوں کی روشنی میں تصنیف کردہ ایک مایۂ ناز کتاب۔

---

(۱) معاصرین اقبال کی نظر میں، از محمد عبداللہ قریشی: ۴۵۶، مجلس ترقی اَدب، لاہور

جوہر خسروی۔ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ کے کلام کو تلاش و جستجو کے بعد محققانہ انداز میں مرتب کیا گیا ہے۔

Irrigation۔ حکومت برطانیہ کی فرمائش پر آپ نے ۱۹۲۴ء میں اس انگریزی کتاب کا اُردو زبان میں ترجمہ کیا تھا۔

میکدۂ کیفی۔ مجموعہ حمد و نعت و منقبت وغیرہ، جو ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا۔ سحبان الہند علامہ کیفی کے ان کلاموں کا انتخاب جو عرس کی محفلوں کے لیے بالعموم اور درگاہِ حضرت چراغِ ربانی قدس سرہ (آستانہ ولید پور) کی محفل عرس کے لیے بالخصوص وقتاً فوقتاً سپردِ قرطاس کیا گیا۔

نوین سنگرہ۔ فارسی و ہندی کلام کا مجموعہ۔ ۱۹۴۶ء میں مرتب ہوا مگر طبع نہ ہو سکا۔

کیف و الہام۔ آٹھ سو سے زائد غزلوں کا مجموعہ

پارہ ہائے جگر۔ چھ نظموں کا مختصر مجموعہ

جمال و جلال۔ نو سو سے زیادہ نظموں کا مجموعہ۔ (ان مجموعوں میں آپ کے اُردو، عربی، ہندی، فارسی اور انگریزی کلام بھی شامل ہیں)، نیز ان میں روسی، فرانسیسی، جاپانی، جرمن، ترکی، گجراتی، منگلا چینی اور سنسکرت نظموں کے ترجمے بھی شامل ہیں۔

انتخاب۔ انجمن ترقی اُردو ہند (علی گڑھ) کی طرف سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔

مہاتما گاندھی کی یاد۔ اُردو، ہندی، فارسی اور انگریزی نظموں کا مجموعہ۔ جو ۱۹۴۸ء میں نواب محمد اسماعیل سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے شائع کرایا۔

وفا کی دیوی۔ آپ کا ایک اُردو ڈرامہ ہے جس کا پلاٹ عربی سے ماخوذ ہے۔ شائع کردہ رام دیال پریس کٹرہ۔ الہ آباد ۱۹۳۳ء

آدم و حوا۔ یہ آپ کا دوسرا اُردو ڈرامہ ہے جس کا پلاٹ عربی و ترکی سے لیا گیا

ہے۔مگر یہ ہنوز شائع نہ ہوسکا۔

النوروالنار۔ یہ آپ کا عربی ڈرامہ ہے جو ۱۹۲۸ء میں مکمل کر کے مصر بھیجا گیا۔ وہاں نہ صرف پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا بلکہ مصر سے آپ کو 'سحبان الہند' کا خطاب ملا۔

جواہرِ سخن (یہ چھ ہزار صفحات میں سات جلدوں پر مشتمل تقریباً گیارہ سو مشاہیر شعراو اُدبا کے کلام پر مکمل تبصرہ اور محققانہ تنقید ہے،جس کی چار ضخیم جلدیں ہندوستانی اکیڈمی، الٰہ آباد شائع کر چکی ہے۔آپ کا یہ کارنامہ دنیاے شعروسخن میں ہمیشہ یادرکھے جانے کے قابل ہے۔(۱)

'نفیس' آپ کا وہ محققانہ تفسیری کارنامہ ہے جس نے اجلہ علما کی توجہات آپ کی طرف منعطف کی۔اس کتاب کی رپورٹنگ ماہنامہ 'العلم' اعظم گڑھ کے فلیپ پر جو کی گئی موقع کی مناسبت سے اس کا خلاصہ بیان کر دینا فائدے سے خالی نہ ہوگا۔محمد عبدالرشید منیجر رسالہ 'العلم' رقم طراز ہیں :

> آیات واحادیث متشابہات پر تحقیقی بحث،علم کلام یعنی فلسفہ اسلام پر لاجواب کتاب۔جولوگ قرآن پاک پر آئے دن اعتراضات کیا کرتے ہیں ان کے لیے مسکت اور دم بند کر دینے والے جوابات۔طریقہ اِستدلال اس قدر رانوکھا کہ باید وشاید۔
>
> عبارت کی روانی وتسلسل ایسا دلچسپ کہ کتاب بلاختم کیے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔باوجود علمی مضمون ہونے کے زبان اتنی پیاری کہ اُردوے معلّٰی ہیچ ہے۔عذوبت وشیرینی بیان سے باہر ہے۔اس موضوع پر ایسی کتاب

---

(۱) چراغِ ربانی مولانا کامل نعمانی ولید پوری، محمد حاصل عباسی چریاکوٹی:۶۵ تا۷۵...... اسلام اور عصر جدید:۴۹ جولائی ۱۹۷۴بحوالہ تذکرہ علماے اعظم گڑھ:۳۰۴ تا ۳۰۵۔

اب تک شائع نہیں ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ مولف نے اس زمانۂ قحط الرجال وآشوب علمی میں اس عظیم الشان اضافہ سے اسلام واہل اسلام پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

مولفہ ابوالمعانی مولانا محمد مبین عباسی چریاکوٹی ایڈیٹر العلم خلف اصغر جناب مولانا محمد فاروق چریاکوٹی رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ۳۰۰ صفحوں کی کتاب ہے، اور دو حصوں پر منقسم ہے۔ پہلے حصے میں عقلی اور دوسرے میں نقلی دلائل عجیب وغریب نکات کا انکشاف کرتے ہیں۔ پہلا حصہ مرتب ہو چکا ہے۔ دوسرا ابھی زیر ترتیب ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب یہ بھی مرتب ہوکر پریس میں آنے والا ہے۔(۱)

کیفی چریاکوٹی اپنی اُفتادِ طبع کے سبب اوائل عمر ہی سے شعروسخن کی طرف مائل ہو گئے تھے، جس میں ان کے گھر کے علمی اور ادبی ماحول نے مزید اضافہ کر دیا۔ ادبی ذوق اور فکر و شعور میں بتدریج پختگی کے بعد کلام میں نکھار، تخیل میں بلندی، اسلوب و بیان میں شائستگی اور تازگی پیدا ہوتی گئی۔ انھوں نے جملہ شاعری حمد، نعت، غزل، نظم، قصیدہ، رباعی اور قطعہ وغیرہ میں اُردو کے علاوہ فارسی، عربی اور ہندی میں کامیاب طبع آزمائی کی ہے۔ اور ان تمام اصناف میں ان کی طبع آزمائی کے جواہر موجود ہیں جن میں گہرائی و گیرائی، احساسات کی شدت اور خیالات کی ندرت پوری طرح جلوہ فگن ہے۔(۲)

انھیں سب خصوصیات کے باعث علامہ کیفی نے اپنی تمام تر علمیت وقابلیت اور جملہ فنون میں مہارت کے باوجود اپنے شاعرانہ کمالات سے وہ شہرت پائی، جس کی حرارت آج بھی علمی واَدبی محفلوں میں محسوس کی جا رہی ہے۔ بلامبالغہ قدرت نے انھیں ایک حساس دل، شگفتہ دماغ، اور طبع رسا کے جوہر سے نوازا تھا۔

---

(۱) ماہنامہ العلم، جلد ا، شمارہ ۴، اگست ۱۹۱۶ء۔ اندرونِ سرورق۔ ابراہیمیہ پریس، اعظم گڑھ۔

(۲) ماہنامہ تہذیب الاخلاق، جلد ۳۲، شمارہ ۲، فروری ۲۰۱۳ء۔

وہ اُردو کے علاوہ عربی وفارسی، ہندی، انگریزی اَدبیاتِ نظم ونثر سے نہ صرف دانش ورانہ آگاہی رکھتے تھے بلکہ وہ ان پانچوں زبانوں میں فکرِسخن بھی کرتے تھے۔ان کی شاعری کے وقیع ووسیع ذخیرے میں ان پانچ زبانوں کا کلام بھی اچھی خاصی تعداد میں موجود ہے۔طبع زاد کلام کے علاوہ علامہ کیفی کے کلام میں گجراتی، بنگلہ، چینی، جاپانی،فرانسیسی، جرمن، سنسکرت،عربی اورروسی زبانوں کی نظموں کے اُردو ترجمے بھی شامل ہیں۔

علامہ کاتخلص ’کیفی‘ تھا۔شاعری تو آپ کی گھٹی میں پڑی تھی۔فکرسخن کے لیے مادر ہند کی غلامی، جیالوں کی بہادری اورفرنگیوں کی ستم گری آپ کا دلچسپ میدان رہا ہے۔آپ کی شاعری پر ایک ایسا وقت بھی گذرا ہے کہ جب ہندوستان کے نامی گرامی ماہنامے اور ہفتہ واری مجلّے آپ کی غزلوں،نعتوں اور منقبتوں کے لیے چشم براہ رہا کرتے تھے۔ اورادبا کی بزمیں،اورعلما کی مجلسیں آپ کے کلام سے گرم رہا کرتی تھیں۔

ہر چند کہ آپ اُستادی وشاگردی کے جھمیلوں سے پاک تھے؛ مگر شعراے ماضی وحال کے اَدبی اکتسابات سے واقف تھے۔مذاقِ تصوف سے خوب آشنا بھی تھےاوراس کے خوگربھی۔آپ روحانی طور پرمشہور شاعر،عظیم عالم وفقیہ، بے مثال حکیم وطبیب اور صاحب دل درویش وصوفی حضرت مولانا عبدالعلیم آسی سکندپوری ثم غازی پوری علیہ الرحمہ (م۱۳۳۵ھ) سے کے دامن فیض سے وابستہ تھے۔اُن سے قلبی تعلق و بے پناہ عقیدت کے ساتھ دوستانہ مراسم بھی تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے اپنا کلام مولانا کو دکھا کر اِصلاح کی خواہش ظاہر کی تو مولانا نے فرمایا :

’کلام اچھا ہے، اشعار معیاری ہیں،علم و اَدب کے ترازو پر پورے اُترتے ہیں۔آپ اپنے ذوق کو رہنما بنائیے،اور مشق سخن جاری رکھیے‘۔(۱)

(۱) چراغِ ربانی مولانا کامل نعمانی ولید پوری:۸۸۔

اس لیے آپ کی شاعری میں مولانا کی دعاؤں کا اَثر بھی شامل تھا، جس نے اپنوں اور غیروں سب کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ ایک مقام پر علامہ نے حضرت آسی کے رنگ تغزل کو یوں خراج پیش کیا ہے ؎

قسم ہے کہ رنگِ تغزل میں کیفیؔ

زمانے میں آسیؔ کا ہمتا نہیں ہے (۱)

آسیؔ کے علاوہ مومنؔ کا رنگ بھی آپ کو بہت پسند تھا۔ اسی لیے ان کے یہاں ایک صوفی کی سرمستی، اور عالم جذب وسکر کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ کیفیؔ نے کیفیت کے مختلف زاویوں کو جس شاعرانہ کمال کے ساتھ لفظوں کے ساغر میں چھلکایا ہے وہ انھیں کا حصہ ہو کر رہ گیا ہے۔ سوز وگداز، نرمی وتازگی، دردمندی وجاں گدازی، خودسپردگی وبےخودی اور عرفانیت وروحانیت نے ان کے کلام کی فضا کو خوش گوار اور مانوس بنا دیا ہے۔

ڈاکٹر اِقبال اور علامہ کیفی: شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر سر اِقبال سے آپ کے بڑے اچھے مراسم تھے، بلکہ وہ بہت حد تک آپ کی علمی عبقریت، صحافتی سرگرمیوں اور شعری رکھ رکھاؤ سے متاثر بھی تھے، اور خود کو آپ کا زلہ ربا اور ریزہ چیں بھی سمجھتے رہے۔ اسی لیے اقبال نے جا بجا آپ کی عظمت وفضیلت کا قصیدہ بھی پڑھا ہے، اور آپ کے خانوادے سے بٹنے والے عالم گیر فیض وکمال کا شرحِ صدر کے ساتھ اِعتراف بھی کیا ہے۔

آپ کے جاری کردہ ماہنامہ 'العلم' کی بابت ڈاکٹر اقبال کے وقیع تاثرات اور دوسال بعد حادثاتی طور پر اس کی موقوفی کے بعد اس کی نشاۃ ثانیہ کے لیے مرتے دم تک اصرار اس بات کا پتا دیتا ہے کہ ڈاکٹر اقبال کو دبستانِ چریاکوٹ سے بڑی توقعات وابستہ تھیں، اس کی تفصیلی بحث ابتداے سطور میں قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں۔

---

(۱) میکدۂ کیفی، حافظ علی حسن: ۲۷۔ مطبوعہ شانتی پریس، الہ آباد۔ ۱۹۲۹ء

یوں ہی ڈاکٹر اقبال کی شہرۂ آفاق نظم 'شکوہ، جوابِ شکوہ' جب علامہ کیفی کے مطالعہ کی میز تک پہنچی تو 'نالہ مسلم' کے عنوان سے ایک پُرسوز اور ولولہ انگیز نظم آپ نے قلم بند کی، جس کے درجنوں اشعار میں سے تین شعر ایک خاص مناسبت کی وجہ سے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

پہچانتا نہیں وہ مجھ آستاں نشیں کو
تو نے جو ساتھ چھوڑا اے داغِ جبہ سائی

پھر تیرے پاس پہنچیں گھستے ہوئے جبیں ہم
رہبر بنے ہمارا، پھر داغِ آشنائی

آئیں تو آنے والے کیفی تلاشِ حق میں
اِسلام میں ہے ابتک وہی ضرب کہربائی☆

تکمیل کے بعد یہ پوری نظم علامہ نے ڈاکٹر اقبال کے ملاحظہ کے لیے بھیج دیا۔ اس دل گداز نظم کو پڑھنے کے بعد اقبال ورطۂ حیرت میں ڈوب گئے، اور نظم کے مجموعی تأثر نے اقبال کو خدا جانے کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ چنانچہ اس کا اعتراف ڈاکٹر صاحب خود علامہ کے نام مرسلہ اپنے ایک خط میں یوں کرتے ہیں۔

'لاہور، ۲۱ر ستمبر ۱۹۲۰ء

بخدمت حضرت علامہ کیفی چریا کوٹی، ایڈیٹر 'سحبان' گورکھ پور

آپ کی مرسلہ نظم پہنچی۔ میری عزت ہوئی۔ میں اس پر کیا اظہارِ خیال کروں؟ ہم لوگ آپ کے زلہ رُبا (خوشہ چیں) ہیں۔ آپ کے خاندان سے ایک عالم فیض یاب ہے اور آپ کی ذات سے بھی ہو رہا ہے۔ اس شعر نے خدا جانے مجھے کس عالم میں پہنچا دیا۔

☆ معاصرین اقبال کی نظر میں، از محمد عبداللہ قریشی: ۴۵۹ تا ۴۶۰، مجلس ترقی اَدب، لاہور

پہچانتا نہیں وہ مجھ آستاں نشیں کو
تونے جو ساتھ چھوڑا اے داغِ جبہ سائی

محمد اقبال(۱)

ڈاکٹر اقبال اخیر دور میں جب صاحب فراش ہو گئے تو علامہ کیفیؔ کی ایک معرکتہ الآرا نظم آپ تک پہنچی۔ باوجود اس کے کہ ڈاکٹروں نے آپ کو لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا تھا آپ نے علامہ کیفیؔ کو یوں جواب لکھا۔

'۱۸رفروری ۱۹۳۸ء

جناب علامہ صاحب! آپ کا خط مع نظم موصول ہوا۔ علالت کی وجہ سے ڈاکٹروں نے لکھنے پڑھنے سے منع کر دیا ہے۔ آپ کی نظم ایک دوست نے پڑھ کر سنائی، جس کے لیے میں آپ کا بہت شکریہ اَدا کرتا ہوں۔ خدا کرے آپ رسالہ 'العلم' دوبارہ جاری کر سکیں۔

امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔ والسلام **محمد اقبال**'(۲)

خدا کی شان کہ اس خط کے دو ہی ماہ بعد ۲۱راپریل ۱۹۳۸ء کو ڈاکٹر اقبال اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ اس طرح علامہ کیفی کا ایک عظیم قدرداں اور حوصلہ پرور جاتا رہا۔ جب ڈاکٹر اقبال کے وصال کی خبر علامہ کو ہوئی تو دل تھام کے رہ گئے اور اقبال کے لیے ساٹھ اشعار پر مشتمل ایک غیر فانی نظم لکھی جس میں اقبال کی گوناگوں عظمتوں اور رفعتوں کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں 'طائر طوبیٰ' قرار دیا۔ نیز یہ بلند پایہ نظم ان دونوں بزرگوں کے اخلاص ومودت کی یادگار کے طور پر ہمیشہ زندہ رہے گی۔

(۱) معاصرین اقبال کی نظر میں، از محمد عبداللہ قریشی: ۴۶۰ تا ۴۶۱ مجلس ترقی اَدب، لاہور

(۲) معاصرین اقبال کی نظر میں، از محمد عبداللہ قریشی: ۴۶۱ مجلس ترقی اَدب، لاہور

اس نظم کے چند اشعار یہاں پیش کیے جاتے ہیں ؎

نفس نفس کو جو سمجھا ہے دامِ صیادی
سکونِ موت ہے اس کو پیامِ آزادی

وہ بوئے گل کہ جو پہنچی ہے اُڑ کے جنت میں
کہاں یہ تاب کہ سمجھے چمن کی بربادی

وہ روحِ پیکرِ 'اقبال' غیرتِ اسلام
فرشتے لے چلے جب اسکو سوئے ربّ انام

ندا یہ آئی کہ اے عندلیب سحر نواز
حقیقتوں سے بھری ہے تری نوائے حجاز

تری نوا سے رگِ جاں کا تار لرزاں ہے
نئے عجم میں سنائی صدائے مست حجاز

دکانِ کفر کو دی دیں کی گرم بازاری
بتانِ ہند سے پوچھے کوئی حرم داری

سمجھ گیا تھا تو طرزِ شرارِ بولہبی
یہی شیوۂ عشق محمد عربی ﷺ

مدارِ زیست سمجھتا تھا عشق سوزاں کو
تمام عمر ترے دل میں تھی یہ آگ دبی

سکونِ نفس جدا تھا معاش جوئی سے
کہاں جگر کی تراوٹ، کہاں یہ تشنہ لبی

اَدب حیات کا ہے ذوقِ طرزِ نالہ کشی
سکونِ ضبط کو سمجھا تھا تو نے بے اَدبی

تمام فرشِ زمیں کو ہلا دیا تو نے
عرب سے ہند کا ڈانڈا ملا دیا تو نے

ہر ایک لفظ سے ظاہر تڑپ محبت کی
ہر ایک بات میں رنگینیاں قیامت کی

ہر ایک حرف میں پہلوے دردِ بے تابی
اَدا اَدا تھی کہ چنگاریاں تھیں حسرت کی

بشر تھا اور مقام ملک کو جان لیا
اسی شعور کو کہتے ہیں دادِ فطرت کی

جو لفظ میں نہیں طاقت تو ہیچ ہے معنی
کہاں ہو لفظ میں قوت جو دل ہو بیماری

تو شمع بن کے جلا، داغِ دل دکھانے کو
دکھا دیا جو دکھانا تھا کل زمانے کو

غرض کہ ذوقِ نظر نے ترے کمال کیا
کہ ذرّے ذرّے کو نظارۂ جمال کیا

اُدھر، کہ خلد کی رونق بڑھائی جاتی ہے
اِدھر ہے خاک، کہ کیفی اُڑائی جاتی ہے (۱)

بسا اوقات تو آپ کے کلام پر فکرِ اقبال کا شائبہ گزرنے لگتا ہے۔ سوالِ تاثیر کے عنوان سے علامہ اقبال نے جو مشہورِ زمانہ نظم لکھی ہے اسی زمین پر آپ کی طبع آزمائی بہزار شوق پڑھنے کے قابل ہے۔ پچیس اشعار میں سے چند ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱) معاصرین اقبال کی نظر میں، از محمد عبداللہ قریشی: ۴۶۲ تا ۴۶۸، مجلس ترقی اَدب، لاہور

یا رب دلِ مردہ کو اِعجازِ مسیحا دے
جو صبح سے پہلے ہی اس خواب سے چونکا دے

پھر سوزشِ پنہاں میں تاثیر عنایت کر
پھر روح کو گرما دے پھر قلب کو تڑپا دے

ہاں پہلوے بسمل کو پھر درد بھرا دل دے
پھر قیس محبت کو بے تابِ لیلیٰ دے

پھر اُمت وحشی کو اسلام کی اُلفت دے
آہوے رمیدہ کو پھر وسعت صحرا دے

ہم پاس ترے پہنچیں بچتے ہوئے ٹھوکر سے
ہاں علم کا مشعل دے پھر دیدۂ بینا دے

پھر مسلم بے کس کو سرگرم عنایت کر
پھر خاک کے ذرّے کی تقدیر کو چمکا دے☆

کیفیؔ کی غزلوں میں تغزل بھی ہے اور تفکر بھی۔ ان کا کلام ابتذال وسوقیانہ لہجے اور بازاری زبان سے پاک وصاف ہے۔ کہنے کی بات کہنے کے سلیقے کے ساتھ کہتے ہیں اور نکتہ آفرینی و نازک خیالی کے رشتے کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

ان کا رنگ تغزل دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے معاملاتِ حسن وعشق کو کس محتاط اور فکری انداز میں بیان کیا ہے اور متصوفانہ شاعری کے رنگ کو کس کامیابی کے ساتھ برتا ہے!۔

☆ ماہنامہ العلم، جلد ا، شمارہ ۴، اگست ۱۹۱۶ء۔ ص ۲۴۵۔ ابراہیمیہ پریس، اعظم گڑھ۔

'نالۂ مسلم' کے عنوان سے لکھی ہوئی ایک دوسری نظم میں سوز وتپش، آہ وکسک، اور شکوہ ومہجوری کی جو پُر درد کیفیت آپ نے سمودی ہے ان کی تعبیر شاید حرف وصوت کے ذریعہ ممکن نہ ہو، ایسا لگتا ہے کہ اس میں ہر دور کا شکوہ وآرزو انڈیل دیا ہے، اور پھر مکین گنبد خضرا کی بارگاہ میں اِستغاثہ کر کے قوم مسلم کے دردِ مدام کا مداوا کیا ہے۔ چنداَشعار دیکھیں ؎

اب نرغۂ دشمن میں ہے اِسلام ہمارا
مٹ جائے نہ اے دوست کہیں نام ہمارا

گرتے ہوئے بیتاب کے اے تھامنے والے!
قابو میں نہیں اب دلِ ناکام ہمارا

آ! اب شب صد حسرت وحرماں کی سحر کر
آغاز کا محتاج ہے انجام ہمارا

ہم وہ تھے زمانے میں کہ دنیا تھی ہماری
دن پھیر دے اے گردشِ ایام ہمارا

اب صفحۂ ہستی سے مٹاتا ہے زمانہ
'مسلم ہیں' فقط ہے یہی اِلزام ہمارا

جز خاک نشاں اپنا زمانے میں نہیں ہے
رہتا تھا نگینوں میں کبھی نام ہمارا

اے چرخ کے مالک! یہ عدو کہتے ہیں ہنس کر
ہے نیر اِقبال لبِ بام ہمارا

کافی ہمیں کیفؔی ہے فقط نام نبی کا

بن جائے گا اس نام سے ہر کام ہمارا☆

کیفؔی نے کامیاب غزلوں کے علاوہ حمد و نعت، مدح صحابہ و اہل بیت اَطہار، سلام و مرثیہ اور مناقب اَولیا بھی قلم بند کی ہیں۔ گویا انھوں نے اپنی مذہبی شاعری میں اپنے کمالِ فن کا جوہر دکھا کر اس نظریے کو تقویت بخش دی ہے کہ مذہبی شاعری کوئی تیسرے درجے کی چیز نہیں، مذہبی عقائد اور مذہبی احساسات و تاثرات بھی اگر فکر و فن کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر شعری سانچے میں ڈھل جائیں تو ان میں بھی اَدبیت کی چاشنی اور شعریت کی تازگی پیدا ہو جاتی ہے اور اس طرح کا فن پارہ شاعری کے اوّلین نمونوں میں شمار ہونے کے لائق بن جاتا ہے۔

کیفؔی کی نعتوں میں عقیدت و محبت کی گرمی اور جذبات و احساسات کی تپش بھی ہے اور سوز و ساز بھی، دل گداز بھی اور ناز و نیاز بھی۔ انھوں نے جو نعتیں کہی ہیں وہ زبان و بیان کے کانٹے پر تلی ہوئی ہیں، نکتہ آفرینی اور جزئیات نگاری کے اعتبار سے بھی کیفؔی کی نعتیں شعری سرمائے میں توجہ طلب انفرادیت کی حامل ہیں۔ ایک نعت کے چند شعر دیکھیے ؎

وہم بھی جب رسا نہیں مرتبہ کمال تک

کہنے لگیں حقیقتیں تھک کر اسے پیمبری

دیکھ کے رعب حسن کو سائے نے منھ چھپا لیا

کس کو سر برابری، کس کو مجالِ ہم سری

☆ میکدۂ کیفی، حافظ علی حسن: ۳۹۔ مطبوعہ شانتی پریس، الہ آباد۔ ۱۹۲۹ء

سجدۂ شوق میں ہے سر، لب پہ صدائے اُمتی
شان وہ بندگی کی ہے اور یہ بندہ پروری

کیفؔی کو نظموں پر بے پناہ قدرت حاصل تھی اور بڑی زود گوئی کے ساتھ کہتے تھے۔ ان کی نظموں کے موضوعات کی دنیا بہت وسیع ہے۔ انھوں نے سیاسی وسماجی، قومی ووطنی، مذہبی ودینی، تاثراتی ومحاکاتی اور تاریخی موضوعات پر بکثرت نظمیں کہی ہیں۔ ان کے صاحبزادے بزمؔی چریاکوٹی نے ایک تخمینے کے مطابق کیفؔی کی نظموں کی تعداد نو سو سے زائد بتائی ہے۔ کیفؔی کی تاریخی نظموں کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ 'تاریخی نظموں کا سلیقہ خوب ہے، آپ نے یہ چیز مجھ سے چھین لی۔ حضرت استاد کا رنگ نمایاں ہے۔ ابتدا کی ہے تو اس کی انتہا بھی کیجیے'۔(۱)

نظم 'یادِ شباب' کے بس دو بند یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

وہی فضا ہے، وہی رُت، وہی بہارِ چمن — وہی ہے پھول، وہی ہے کلی، وہی گلشن
وہی زمیں ہے، وہی آسماں، وہی عالم — وہی ہے شہر، وہی اس کے کوچہ وبرزن
وہی ہے کوہ، وہی دشت ہے، وہی دریا — وہی ہے اَبر، وہی خاک ہے، وہی دامن
مگر تمام حقیقت سوائے خواب نہیں
نہیں کوئی بھی اپنا اگر شباب نہیں

نسیم اب بھی وہی بوستاں میں چلتی ہے — کلی کے ہونٹ ابھی شوخیوں سے ملتی ہیں
اسی اَدا سے ابھی چھیڑتی ہے پھولوں کو — چمن میں آکے ادھر سے ادھر نکلتی ہے
ابھی ہے اس میں وہی مد وجزر کا عالم — کہیں پہ گرتی ہے اُٹھ کر کہیں سنبھلتی ہے

(۱) ماہنامہ ہم چشم۔ مئوناتھ بھنجن۔ اکتوبر ۱۹۷۱ء۔ ص:۱۱۔

نسیم نام ہے اس کا مگر نسیم کہاں !
مری نگاہ میں اُجڑا ہوا ہے باغِ جناں

لیے ہے بحر کو آغوش میں ابھی ساحل　　ابھی ہے راہ وہی موج کی وہی ساحل
اسی طرح سے ہے گرداب میں ابھی چکر　　ابھی ہے رنگ میں پانی کے آسماں شامل
بھرا ہوا ہے ابھی موتیوں سے جیب صدف　　ابھی ہے گردشِ قطرہ میں جوہر قابل

مرے خیال میں خشکی مگر ہے ساحل کی
کہ موج سر کو پٹکتی ہے حسرت دل کی

سحر کا حسن صباحت ابھی ہے دیدہ فروز　　ابھی ہے نیر رخشاں کا نور عالم سوز
ابھی ہے شام کے آغوش میں متاعِ نشاط　　ابھی ہے جلوۂ مہتاب حسن وعشق آموز
ابھی ہے کاہ کشاں مانگ زلف گردوں کی　　ابھی ہے تارِ شعاعِ نظر کا انجم دور

تمام خوان ہے دعوت کا بہر نظارہ
نمک شباب کا اس میں نہیں تو ناکارہ

فروغِ حسن بجھا سا چراغ ہے دل کا　　جو عشق زخم جگر کا تھا داغ ہے دل کا
کھٹک ہے پھول میں غنچے میں ٹیس حسرت کی　　کہ دشت خار سے لبریز باغ ہے دل کا

لٹی ہے رونق لالہ، اُڑا گلاب کا رنگ
نہیں ہے ان میں جو کیفی رخِ شباب کا رنگ (۱)

علماے چریا کوٹ میں مکالمہ نگاری کی روایت بھی بڑی پائیدار رہی ہے۔ علامہ کیفی اور مولانا احمد مکرم کے یہاں دوسروں کی بہ نسبت اس صنف میں طبع آزمائی کچھ زیادہ ہی ملتی ہے۔ اسی لیے ’تحفۃ الاحباب‘ از مولانا احمد مکرم میں ہمیں بہت سے کامیاب اور سبق آموز

(۱) تذکرۂ شعراے اتر پردیش، عرفان عباسی، جلد دوم: ۲۶۵ تا ۲۶۶۔ نظامی پریس لکھنو، ۱۹۸۲ء

مکالمے دیکھنے میں آتے ہیں۔ یوں ہی علامہ کیفی نے بھی بہت سے معرکۃ الآرا اجمالی وتفصیلی لکھے ہیں، جنھیں ان کے دواوین میں ڈھونڈا جاسکتا ہے۔ یہاں اپنے دعوے کے ثبوت میں 'مکالمہ تدبیر وتقدیر' پیش قارئین باتمکین ہے۔

-: تدبیر :-

ایک دن تدبیر نے تقدیر سے ہنس کر کہا
کائناتِ دہر میں کوئی نہیں میرے سوا

علت واَسباب میں ہے میری قدرت کی نمود
اور ہستی کی یہ دونوں اِبتدا اور اِنتہا

قوتِ ایجاد کیا ہے؟ میرے منشا کا وجود
عالم تخلیق کیا ہے؟ اِک اشارہ ہے مرا

جب اِشارے سے مرے ہوجاتی ہیں چیزیں بہم
اِک نئی شے ان سے ہوجاتی ہے خود جلوہ نما

آبِ صافی سے ملاتی ہوں شکر کو جس گھڑی
اس سے شربت روح پرور رنگ لاتا ہے جدا

تاج وتختِ سلطنت بھی ہے مرا دستِ کرم
جنگ میں ہے نام میرا فتح ونصرت کا لِوا

الغرض! ہر چیز میں دنیا کی ہے میرا ہی رنگ
عالمِ اسباب کا مجھ سے کل نشو ونما

صاف میں کہتی ہوں منہ پر، سننے والے سن رکھیں
جس نے منہ پھیرا ہے مجھ سے وہ تباہی میں پڑا

رہبری میری ، رسائی منزلِ مقصد کی ہے
اور جو پیرو ہیں تیرے ہیں وہ بزدل بر ملا

دیکھ لے قرآں 'مدبر' نام ذاتِ حق کا ہے
حکم میرا مانتی ہے قلب صالح کی رضا

-: تقدیر :-

سن چکی تقدیر جب تدبیر کا لاف وگزاف
ہنس کے یہ کہنے لگی اے خود پسند وخود نما!

تو نے سمجھا ہی نہیں ہے آج تک رازِ وجود
ہر چمک کا نام نادانی سے سونا رکھ لیا

تیری چشم ظاہری باطن کی تہ میں کور ہے
ظاہری اَسباب کے اَمراض میں ہے مبتلا

نام شربت جس کا رکھا تو نے اے غفلت شعار!
اس میں جو تاثیر ہے، میری ہے وہ جودوعطا

دل میں جو ٹھنڈک پہنچتی ہے وہ میرا فیض ہے
جانِ شیریں کے لیے بن جائے ورنہ سنکھیا

ہے مری محتاج وہ ترکیب جس کا نام ہے
حکم سے میرے مرکب میں ہے تاثیر وجلا

تونے کیا دیکھا نہیں اکثر مریضوں کے لیے
وہ قضا بنتی ہے جس کا نام رکھتے ہیں دوا

اس کے آگے اور سن تو اپنے گوشِ ہوش سے
تو عمل انسان کا ہے اور میں حکم خدا

بندۂ ایماں ہیں جو رہتے ہیں میرے کاربند
بوالہوس کہتے ہیں جن کو تو ہے ان کا مدعا

تو نے جنگ بدر میں دیکھی نہیں قوت مری
چند جاں بازوں نے ملک کفر میں کیا کردیا

کفر کی جانب تھا سب کچھ ساز و سامانِ وجود
اور ادھر اسلام کی جانب فقط نامِ خدا

تو کہاں تھی اُس گھڑی دنیا میں اے عالم فریب!
کفر کی لاشوں سے جب میدان سارا بھر گیا

ایک اندھا جارہا تھا جب شبِ تاریک میں
پاؤں کی ٹھوکر لگی اس کو خزانہ مل گیا

یہ عمل میرا تھا اس کی رہ نمائی میں نے کی
تو نے اس کی کیا مدد کی تھی مجھے ناداں بتا!

میں اِدھر حکم خدا ہوں، اُس طرف قولِ رسول
کون ٹھہرا ہے مطاعِ دوجہاں ان کے سوا!

ہے خدا بے شک 'مدبر' اس کی بھی تشریح سن
ہے مگر تدبیر اس کی حکم اُس کا برملا

تونے ان قوموں کو بھی دیکھا ہے اے ظلمت پسند!
ظاہری اَسباب نے جن کو جہاں سے کھودیا

میں نہ ہوں تو کام تیرے جتنے ہیں اَبتر رہیں
حسن میں تیرے ہے جو کچھ، ہے وہ میری ہی ضیا

تونے اے تدبیر! پھیلایا ہے وہ دامِ فریب
اس میں بندہ پھنس کے ہوجاتا ہے آقا سے جدا

گرچہ ذرہ ہرزمیں ہم چو قمر تابندہ ایست
کیفؔیا درنسبت خود مہر را او بندہ ایست (۱)

کیفؔی کی شعری بلند پائیگی کا اندازہ کرنا ہوتو ان کا وہ موازنہ شعری دیکھیے جو انھوں نے حزیںؔ اور غالبؔ کے فارسی اشعار سے کیے ہیں۔ قارئین با تمکین پر امتیاز مشکل ہوجائے گا۔

حزیںؔ: مژدہ یاراں کہ ازیں منزلِ ویراں رفتم
رستم از جسم گراں از پئے جاناں رفتم
اے ہزاران ہوادار صفیرے بزئید
جستم از قید نفس سوے گلستاں رفتم

غالبؔ: گر بہ سنبل کدۂ روضۂ رضواں رفتم
ہوسِ زلف ترا سلسلہ جنباں رفتم

(۱) ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، نمبر ۵، جلد ۳۴، کالم اَدبیات، صفحہ ۳۸۳ تا ۳۸۴۔

کار فرمائیِ شوقِ تو قیامت آورد
مردم و بازبہ ایجاد دل و جاں رفتم

کیفیؔ: من نہ از کوے تو خوش رفتم و آساں رفتم
آتش سوز درونم برگِ جاں رفتم
سوز در سینہ و دل مائل طوفاں رفتم
حیرتم بود کہ انگشت بدنداں رفتم
من نہ از کوے تو سرگشتہ و حیراں رفتم
بلبل باغِ رضائیم و غزل خواں رفتم
گرچہ از دہر بصد حسرت و حرماں رفتم
عجب اینست کہ خوش رفتم و آساں رفتم ☆

کیفیؔ کو پڑھنے کے بعد یقین کرنا پڑتا ہے کہ شاعری شخصیت کی بازیافت بھی ہے اور کائنات کی مرقع گری بھی، زندگی کی ترجمان بھی ہے اور ذات کی عکاسی بھی۔ یہ صرف تنقید حیات ہی نہیں تفسیر کتابِ دل بھی ہے۔ ان کی شاعری نے دل و دماغ کے فاصلے کو بھی کم کیا ہے اور داخلی و خارجی دنیا کو ایک نقطے پر لاکر کھڑا کر دیا ہے۔ گویا انھوں نے جو کچھ محسوس کیا اسے شعری قالب میں ڈھال کر پیش کر دیا۔

خاص بات یہ ہے کہ آپ کا کلام شعری نزاکتوں اور بلاغی محاسن کے ساتھ سوز و گداز سے بھی لبریز ہوا کرتا تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس دور کی مشاہیر خانقاہوں میں آپ کے

☆ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، ۱۳؍نومبر ۱۹۱۸ء۔ ج ۱۸/۴۰ ص، ۱۰ تا ۱۱۔

صوفیانہ کلام بڑے ذوق وشوق سے پڑھے اور سنے جاتے تھے اور سامعین وجد وحال میں بے حال تک ہو جایا کرتے تھے۔

حافظ علی حسن کے بقول: ’’آستانۂ ولید پور کے علاوہ اجمیر شریف، کلیر شریف اور دوسرے مشہور عرسوں کی محفل سماع میں مولانا موصوف کا کلام (ہندی، فارسی، اردو) کیف وجذبات کی مئے دوآتشہ بنتا رہتا ہے۔ شائقین کی حالت یہ تھی کہ اگر کہیں کسی سے کوئی مصرع یا شعر سن لیتے تھے تو بے تاب ہو کر صفحۂ دل پر نقش کر لیا کرتے تھے‘‘۔(۱)

’میکدۂ کیفی‘ میں اجمیر مقدس کی عظمت ورفعت شان کے حوالے سے لکھی ہوئی مولانا کی ایک نظم کے چند اشعار ملاحظہ کرتے چلیں۔

کہہ رہی ہے ٹھنڈی ٹھنڈی یہ ہوا اجمیر کی
کشت دل پر ہے برسنے کو گھٹا اجمیر کی

نور آنکھوں کا ہوا جاتا ہے گنبد پر نثار
ملتی جلتی ہے مدینے سے فضا اجمیر کی

آفتابِ لطف ہے حاجت روائے خاص وعام
ہر طرف موتی لٹاتی ہے ضیا اجمیر کی

اور حضرت خواجہ غریب نواز کی شان میں کہی گئی منقبت کے دو شعر بھی دیکھیں۔

طیبہ ذرا دکھا دو بندہ نواز خواجہ
موسیٰ مجھے بنا دو بندہ نواز خواجہ

(۱) میکدۂ کیفی، حافظ علی حسن، مقدمہ، س۔ مطبوعہ شانتی پریس، الہ آباد۔ ۱۹۲۹ء

جو غم ہے دل میں اس سے اب جان پر بنی ہے
اس درد کی دوا دو بندہ نواز خواجہ

علی گڑھ میں قیام کا آپ کو دو تین مرتبہ موقع میسر آیا۔ ایک تو ۱۹۴۲ء میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین کے حکم پر لٹن لائبریری میں کتب عربی، فارسی اور علومِ مشرقیہ کی کیٹلاگنگ کے سلسلے میں تین سال تک قیام پذیر رہے، اور دوسرے اس سے قریباً ڈھائی دہائی قبل 1918ء میں علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے دو سال تک اپنی بے پایاں خدمات انجام دیں۔ اس طرح مجموعی طور پر آپ نے زندگی کے کوئی پانچ سال علی گڑھ کے لیے وقف کیے، اور کیوں نہ ہوتا کہ علی گڑھ یونیورسٹی تو آپ کے گھر گھرانے کی ہی تحریک سے وجود پذیر ہوئی تھی اور اس کی تعمیری و تعلیمی سرگرمیوں میں علماے چریا کوٹ نے اِبتدائی دنوں ہی سے بہت گراں مایہ اور نا قابل فراموش کردار اَدا کیا تھا۔

علامہ کیفی اور پروفیسر سید سلیمان اشرف: بتایا جاتا ہے کہ علی گڑھ قیام کے دنوں میں آپ کو بہت سی علم دوست شخصیات نے متاثر کیا اور آپ نے ان کی صحبتوں سے بھرپور اَخذ فیض کیا، ان میں ایک بڑا ہی مشہور اور معتبر نام علامہ پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری (۱۳۵۸ھ-۱۹۳۹ء) علیہ الرحمہ کا بھی ہے۔ آپ نے علامہ سے اپنی قلبی عقیدت کا اِظہار محض زبانی ہی نہیں کیا بلکہ اسے سلک تحریر میں پرو کر اَمر بھی کر دیا ہے۔

یوں ہی جب پروفیسر سید سلیمان اشرف تحریک گاؤ کشی کے شباب کے دنوں میں مشہورِ زمانہ معرکۃ الآرا کتاب 'النور' لکھ رہے تھے تو علامہ نے اس موضوع پر نہ صرف اپنے والد کی جاندار کتاب 'مسدسِ فاروقی' بلکہ دیگر علماے اہل سنت کی وقیع کتب کی فراہمی میں بھی اہم کردار اَدا کیا تھا۔ پروفیسر موصوف سے تعلق خاطر ہی کا نتیجہ تھا کہ علامہ نے ایک شب ملاقات کے دوران فی البدیہ ارتجالاً 'النظم البدیه' کے عنوان سے آپ کی

شان میں ایک بڑا ہی وقیع علمی قصیدہ پیش کیا، جس کی پروفیسر صاحب نے کافی سراہنا کی اور علامہ کو ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا۔ اس کی تفصیلات علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی ہیں۔قصیدہ یہ ہے ۔

قيل القلوب إلى الكرام يميل ۞ نعم الفؤاد له إليک سبيل

يا صاحب النسب الشريف شهامة ۞ في فضلكم للدهر ليس عديل

جئنا إليک لنفتخر بجنابک ۞ لكن ساعات السرور قليل

رحنا رجعنا خائبا مخزونا ۞ الذكر من هٰذا الأمور طويل

شوق الزيارة من كئيب خاسر ۞ بالله مولانا إليک دليل

الجهل في حجر المحبة نكبة ۞ والفضل في كل الفحل جليل

أهل العلوم بغربة لقريب ۞ والناس في أوطانهم زحليل

يا بارع المجد الذي لا حدها ۞ هل في الزمان بوصفكم تمثيل

قبل انفتح من دق باب كرامة ۞ و أنا الذي في كربة لضليل

علم الورىٰ يهدي إلى معلوم ۞ اسم المسمى حجة ودليل

أنتم سليمان الكرامة حكمة ۞ وأنا الفقير المذنب المخزول

لــن أذهبن إلى موالاة الغنى ۞ إن المتاع من الزمان قليل

إنى سمعت لقائل قول النهى ۞ العلم باق ما سواه رحيل ☆

یعنی بڑی مشہور بات ہے کہ دل کے اندر اہل جود وسخا کے لیے فطری رغبت و

☆ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، ۱۴/اگست ۱۹۱۸ء۔ ج ۱۸/ ۲۷ ص ۴۔

میلان ہوا کرتا ہے۔ ایسے دل کتنے خوش بخت ہوں گے جنھیں ان کی دہلیز تک رسائی نصیب ہوگئی ہوگی۔

اے شرافت نسب اور فضیلت حسب رکھنے والے! بھری دنیا میں کوئی آپ کا ہمسر و نظیر دکھائی نہیں دیتا۔

آپ کی جناب میں حاضری کا مقصد بس اتنا ہی ہے کہ بڑوں کی صحبت سے ہمیں بھی کچھ فخر و اِعزاز مل جائے؛ ہر چند کہ ایسی جلیل القدر صحبتوں کا دورانیہ ہمیشہ کم ہی ہوا کرتا ہے۔

زمانے نے ہمیں بہت سے زخم دیے ہیں، اور ہمارے ہاتھ میں حزن و ناکامی کے سوا کچھ بھی نہیں؛ خیر! چھوڑیں، ان داستانوں کا سلسلہ بڑا طویل ہے۔

زمانے بھر کا زخم خوردہ آپ کے پاس جو آ گیا ہے تو اللہ گواہ ہے کہ اس کا باعث بس وہ شوقِ زیارت تھا (جو مدتوں سے دل میں مچل رہا تھا)

جہالت محبت کا روپ بھی دھار لے تو کبھی نہ کبھی سامانِ ذلت بن جاتی ہے، جب کہ فضل علم و کمال ہر روپ میں عظمت و جلالت کا نمائندہ ہوتا ہے۔

حالت مسافرت میں بھی اہل علم ہی ڈھارس بندھا کر اجنبیت کو ختم کرتے ہیں؛ ورنہ لوگوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ اپنے وطن میں بھی (جہل کی وجہ سے) مسافر و اجنبی ہی ہیں۔

اے بے پناہ مجد و شرف اور فضل و کمال رکھنے والے فردِ یکتا! کیا زمانے بھر میں تیرے اَوصاف و محاسن کا کوئی ثانی و ہم سر بھی ہے!۔

اہل کرم کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ دستک دینے سے پہلے ہی ان کے دروازے وا ہو جاتے ہیں تو لیجیے دیکھیے زمانے کا ایک مارا بھٹکتا ہوا آپ کی دہلیز تک آ پہنچا ہے۔

آپ تو وہ نابغہ روزگار اور یکتاے زمانہ ہیں جو جادۂ علم و ہدایت پر لوگوں کو

گامزن کرتے ہیں، یقیناً آپ اسم بامسمّٰی ہیں اور اس پر بہت سے دلائل وشواہد قائم ہیں۔

آپ تو وہ سلیمان ہیں کہ جن پر حکمت ودانائی اور کرامت ونجابت کو ناز ہے۔
اور میں وہی محتاج وخطا کار اور زیاں کار (کیفیؔ) ہوں۔

اَربابِ دولت وثروت (یا محبت مال) کے پاس جانے کا کوئی مطلب ہی نہیں؛ کیوں کہ متاعِ دنیا (خواہ کتنی ہی مل جائے) وہ ہمیشہ کم ہی ہوتی ہے۔

میں نے کسی کہنے والے کو بڑے پتے کی بات کہتے ہوئے سنا کہ باقی رہ جانے والی دولت صرف علم ہے، بقیہ جو کچھ ہے سب کو ایک نہ ایک دن رخصت ہوجانا ہے۔

آپ کے نتیجہ ہائے فکر معروف ونامور جرائد ورسائل میں طبع ہوتے رہے، جن میں 'معارف'، ماہنامہ الاصلاح، ماہنامہ العلم اور علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ وغیرہ سرفہرست ہیں۔ ماہنامہ معارف میں طبع شدہ ایک غزل کے چند اشعار بھی دیکھتے چلیں ؂

ہوئی تھیں پست جس دم ہمتیں جوشِ اسیراں کی
ستم دیکھو کہ اونچی ہوگئی دیوار زنداں کی

عدم کہتے ہیں جس کو صورتِ خوابِ پریشاں ہے
یہ ہستی کچھ نہیں تعبیر ہے خوابِ پریشاں کی

مزہ آیا ہے ان کو چھیڑنے کا صحن گلشن میں
اُڑا جب رنگِ رخ، رنگت نکھر آئی گلستاں کی

پڑا دست زلیخا میں وہ دامن کی رسائی تھی
لگا ہے ہاتھ دیوانے کے یہ قسمت گریباں کی

نظر آیا نہ روزِ وعدۂ دیدار بھی مجھ کو
سیاہی تھی مری آنکھوں میں ایسی شامِ ہجراں کی
میں بیٹھا ہوں جہاں تھک ہر سمجھ میں آ گیا کیفؔی
مری درماندگی سے اصل وسعت ہے بیاباں کی (۱)

سو داغ تمناؤں کے ہم کھائے ہوئے ہیں
گل جتنے ہیں اس باغ میں مرجھائے ہوئے ہیں
اب تم بھی ذرا حسن جہاں سوز کو روکو
ہم تو دلِ بے تاب کو سمجھائے ہوئے ہیں

☆

خدا کہلاؤ، یا کچھ اور، سب کچھ مجھ کو کہنا ہے
اِدھر آؤ، مرے منہ میں تمھیں اپنی زباں رکھ دو
وفا کا راز اس مجمع میں کھولا جا نہیں سکتا
سوا محشر کے کوئی اور روزِ امتحاں رکھ دو (۲)

مختصر یہ کہ گلستانِ شعر وسخن میں علامہ قدرتی گلاب کی طرح اُگے، پھولے، مہکے اور اپنی خوشبو سے سارے عالم کے مشام جاں معطر کر گئے۔ گرچہ حضرتِ کیفؔی کو اس دنیا سے گئے ہوئے کوئی ساٹھ سال ہو چکے ہیں؛ مگر ان کی آواز آج بھی اُردو شاعری کے گنبد سیمیں میں گونج رہی ہے۔

الغرض! آپ کی پوری زندگی مجاہدانہ کردار وعمل کی غماز رہی۔ بڑے بڑے انقلاباتِ زمانہ دیکھے؛ مگر انھیں کسی خاطر میں لائے بغیر اپنا سفر حیات جاری رکھا۔

---

(۱) ماہنامہ معارف اعظم گڑھ۔ ستمبر ۱۹۴۵ء۔ ج ۳۶/۳۔ ص: ۲۳۳ تا ۲۳۴۔
(۲) تذکرۂ شعراے اتر پردیش، عرفان عباسی، جلد دوم: ۲۶۴، ۲۶۵۔ نظامی پریس لکھنو۔

کہا جاتا ہے کہ زندگی کے اخیر دور میں آپ نے ایک بڑی پُر درد اور دل سوز نظم رقم کی تھی، اور ایسا لگتا تھا کہ اس کے بعد شاید آپ کا قلم خاموش ہو جائے اور واقعتاً وہ خاموش بھی ہو گیا، اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

سفر در پیش ہے اے زندگی تھوڑا سا دم لے لے
ٹھہر کچھ دیر دورِ سایۂ مژگانِ نم لے لے

مری مومنؔ محبت تجھ سے غافل ہو نہیں سکتی
تجھے بھولا نہیں اے دل رُبا چاہے قسم لے لے

مجھے غم دینے والے تم خوشی سے کب کہاں ہو گے
کوئی ایسا نہیں ملتا جو مجھ سے اُن کا غم لے لے

فقط اِک زندگی کی آخری تحریر ہے کیفیؔ
پھر اس کے بعد چاہے موت ہاتھوں سے قلم لے لے

اور وہی ہوا کہ موت نے آپ کے ہاتھوں سے قلم چھین لیا اور نصف صدی تک علم وکمال کے مختلف اہم میدانوں میں خدماتِ جلیلہ اَنجام دینے کے بعد دو جسمانی یادگار رمزیؔ اور جامیؔ کو چھوڑ کر بعارضۂ فالج یکم اکتوبر ۱۹۵۶ء (۱۳۷۶ھ) بروز دوشنبہ آپ راہی ملک بقا ہو گئے۔ اِٹاوہ، یوپی کی سرزمین پر آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی وفات پر ملک کے ممتاز رسائل واخبارات نے خراجِ تعزیت اور سپاس وتحسین پیش کی۔ خصوصا ملک کے مشہور ومعروف انگریزی روزنامہ Times of India نے ۱۵/ اکتوبر ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں جگہ دی، اور مولانے قوم وملت کی جو ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں ان کو مفصلاً پیش کیا۔

چریا کوٹ کے معروف عالم وعارف اور مولانا احمد مکرم کے مایۂ ناز شاگرد مولانا مزمل عباسی دانشؔ چریا کوٹی نے آپ کے سانحہ ارتحال پر ایک تفصیلی مرثیہ قلم بند کیا ہے،

موقع کی مناسبت سے یہاں اس کا نقل کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

مرثیہ، علامہ عموی جناب محمد مبین صاحب عباسی چریا کوٹی کیفیؔ (سانحہ اِرتحال)

اللہ عذر کب ہمیں تیری رضا میں ہے ❁ مخلوق کی حیات بھی کس اِبتلا میں ہے

اس زندگی کا رازِ حقیقی فنا میں ہے ❁ کیا اختیار عَبد کا حکم خدا میں ہے

ہے شکر زیست سجدۂ آخر حیات کا

اس نظم پر مدار ہے کل کائنات کا

محبوب ومرسلین خدا کا یہ حال ہے ❁ حکم خدا جو آیا تو جینا محال ہے

اللہ میرے زخم کا کیا اِندمال ہے ❁ کس سے کہیں جو دل کو ہمارے ملال ہے

وہ چل بسے زمانہ سے دامن کو جھاڑ کے

جا کر بسائی قبر نشیمن اُجاڑ کے

وہ دن بھی دیکھنا تھا کہ عموی نہیں رہے ❁ بچے بلک رہے ہیں کہ اَبی نہیں رہے

رونا تو یہ ہے وقت کے فیضی نہیں رہے ❁ وا حسرتا! کہ حضرت کیفیؔ نہیں رہے

بگڑی ہے بات ایسی کہ بن کر بگڑ گئی

اُجڑا دیار بس کے جو بستی اُجڑ گئی

طوطیِ ہند شاعر فخر زمن نہیں ❁ نازِ چریاکوٹ وہ فخر وطن نہیں

مسند نشین بزم وہ فخر سخن نہیں ❁ گلشن اُجاڑ ہے جو وہ فخر چمن نہیں

یونانِ ہند کہتے تھے جس کو وہ سرزمیں

کچھ اس طرح مٹی نہ مکاں ہے نہ اب مکیں

گھر تھا یہیں جناب عنایتؔ کریم کا ❁ یوسفؔ، معظمؔ، اعظمؔ ومحمودؔ ومصطفےٰؔ
کنورؔ، شکورؔ، محسنؔ و اِحسانؔ باصفا ❁ اوصافؔ علی، مکرمؔ وعیسیٰؔ، منیرؔ کا

نحوی، ادیب وفلسفی ومنطقی کا گھر
ہرفن کے طاق اور ہر اِک منتہی کا گھر

فاروقؔ باکمال وہ پیدا یہیں ہوا ❁ جس کا وظیفہ پڑھتے ہیں اب بھی اَساتذہ
گھر تھا حکیم وقت عنایتؔ رسول کا ❁ تھے جن کے آستانے پہ سیدؔ بھی جبہ سا

اوصافؔ علی، تجملؔ والیاسؔ کا وطن
احمدؔعلی و نجمؔ کا ، عباسؔ کا وطن

مکتب سے اسکے نکلے اساطین فن یہ لوگ ❁ تھے طاق اپنے فن کے شہیر زمن یہ لوگ
گلدستہ اَدب کے لیے تھے چمن یہ لوگ ❁ شوقِ عروسِ علم کو درّ عدن یہ لوگ

سیدؔ کی یہ زبان اسی گھر کا فیض ہے
شبلیؔ کا یہ بیان اسی گھر کا فیض ہے

سیدؔ نے جس سے پائی تھی عظمت وہ سرزمیں ❁ شبلیؔ کو جس نے بخشی تھی عزت وہ سرزمیں
اکبرؔ کو دی بیان میں قدرت وہ سرزمیں ❁ تھی مکتب جناب کرامت وہ سرزمیں

پیسا ہے یوں فلک نے کہ برباد ہوگئی
اِک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی نہیں رہی

شعر واَدب وفلسفہ جس کا کمال تھا ❁ جو شاعر جلیل وعدیم المثال تھا
جو تھا بدیہ گو بھی جو شیریں مقال تھا ❁ القصہ! باکمال جو بے قیل وقال تھا

قابو تھا جس کو پانچ زبانوں میں نظم کا
لوٹا اَجل نے آہ وہ جوہر بھی بزم کا

یٰسینؔ ہیں مکینؔ ہیں باقی نہ اب مبینؔ ❁ ضعف بصر سے پیری سے مجبور اور حزیں
زندہ ہیں رشک شوئی کو علامۂ امیںؔ ❁ وہ بھی تو اب ہیں خانۂ گمنام کے مکیں

بغداد سے بزرگ جو سرمایہ لائے تھے
علم و اَدب کے اب وہ جواہر نہیں رہے

اپنوں سے دور اپنے سلف کے وطن سے دور ❁ بستی بسائی مدفن فخر زمن سے دور
مارا اَجل نے نازِ چمن کو چمن سے دور ❁ گل ہوگیا چراغِ وطن انجمن سے دور

آبا کو گھر سے دور سفر ننگ و عار تھا
وہ مرنے والا حیف غریب الدیار تھا

کیسے کوئی سنے جو سماعت سے رہ گیا ❁ گنجینہ اَدب جو عنایت سے رہ گیا
سرمایہ وہ جو لکھ کے طباعت سے رہ گیا ❁ دیوانِ بے بہا جو اِشاعت سے رہ گیا

اللہ کام لے یہ عزیزؔ وعدیلؔ سے
مقبول ہو، دعا ہے یہ ربِ جلیل سے

العلمؔ وانقلابؔ زمانہ وترجمانؔ ❁ سحبانؔ ہند اور جواہر سخن امانؔ
برہم رہی ادارت مشرقؔ بہ عزشاں ❁ پُر ہے اَدب سے میکدۂ کیفیؔ زماں

یوں کارنامہ ہائے اَدب بے شمار ہیں
محتاجِ طبع سارے وہ نقش ونگار ہیں

غزلیں ہیں یا کہ معرفت کل کا اِک مقام ❁ نظمیں ہیں یا جہادِ تصور کا اِذنِ عام
ہیں مرثیے کہ شوقِ شہادت کا کوئی جام ❁ ہر رنگ شاعری میں تواتر سے ہے کلام

ہر صنف شاعری کے نمونے نئے نئے
طرز اَدا ہے خاص قرینے نئے نئے

دل سے زباں تک آ ہی گیا جوشِ بحرِ غم ✵ وہ مصطفٰے کمالؔ کی ٹرکی میں رم و چم
افسوں تھا پارہ ہائے جگر کا یم قلم ✵ پڑھ دی جو نظم بزم کے اوساں نہ تھے بہم
وہ قادر کلام نہ ڈھونڈھے سے پائیں گے
اُردو کے ہاتھ ایسے جواہر کب آئیں گے

ہر سمت سے صدائے فلک بوس زندہ باد ✵ تھے رزمیہ کلام کہ اِک دعوتِ جہاد
اس دورِ انقلاب کا ماضی ہمیں ہے یاد ✵ ہر دعوتِ خطیب تھی اک روحِ اتحاد
کیجے دعا یہ ختم فسانہ بہت ہے طول
دانشؔ یہ عرضِ حال ہے ہو یا نہ ہو قبول

افسانۂ حیات کا آخر ہوا ورق ✵ کس دل سے مٹ سکے گا یہ رنج و غم و قلق
حق مغفرت کرے بطفیل حبیب حق ✵ پڑھیے برسم فاتحہ اب سورۂ فلق
چارہ نہیں ہے اور کوئی جز دعائے خیر
جادہ نہیں شفاعت محبوب کے بغیر (۱)

(۱) قلمی بیاض مولانا مزمل دانشؔ چریا کوٹی: ۱۷ تا ۲۱۔ بشکریہ جناب ابوسفیان عامر عباسی گورکھ پوری۔

دوسرا فرزند سعادتمند

سیف الاسلام مولانا محمد یٰسین عباسی چڑیاکوٹی

بہار آتی ہے، پھول کھلتے ہیں اور کھل کھل کے مرجھا جاتے ہیں؛ مگر کچھ پھول ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کی مہک سے دل کے کنول کھل اُٹھتے ہیں۔ خود تو مرجھا جاتے ہیں؛ مگر اپنے پیچھے مشامِ جاں معطر کرنے والی مہک چھوڑ جاتے ہیں اور زندگی کی رمق بانٹ جاتے ہیں۔ لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ مرگئے؛ مگر وہ کہاں مرے، وہ تو نئی زندگی لے کر پھر اُبھر رہے ہیں ؎

جہاں میں اہل ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

مولانا یٰسین عباسی چڑیاکوٹی گلشن اسلام کے ایسے ہی ایک مہکتے ہوئے پھول تھے۔ جنھیں اِنتقال کیے تو ایک زمانہ گزر گیا؛ مگر اب وہ نئی زندگی لے کر سامنے آرہے ہیں ؎

تم سے بعید تھا کہ بھلادو، اگرچہ ہم
اِک عمر ہوگئی کہ ہوئے انجمن سے دور

آپ مولانا محمد فاروق عباسی چڑیاکوٹی کے فرزندِ ارجمند تھے۔ فارسی وعربی پر انھیں پورا عبور حاصل تھا۔ فلسفہ ومنطق سے فطری لگاؤ تھا۔ زمانۂ طالب علمی میں فلسفیانہ تحقیقات ومعلومات کے لیے مشہور تھے۔

یہ سچ ہے کہ مولانا اِبتداء نہایت آزاد طبع اور آزاد خیال تھے، فلسفہ کا رنگ آپ کی طبیعت

پر غالب تھا، اور آپ نے ان عقلی فنون پر خوب دادِ تحقیق بھی دی؛ لیکن عمدۃ الواصلین، امام العارفین، قدوۃ السالکین قبلۂ عالم حضرت پیر حاجی حافظ سید جماعت علی شاہ نقش بندی مجددی قادری علیہ الرحمہ (م ۱۳۷۰ھ) کے تصرفات نے فلسفہ کی خشک دماغی کو دور کر کے انھیں تصوف وروحانیت کا علم بردار بنا دیا، اور پھر مولانا کی زندگی سے معقولیت کا نشہ ایسا ہرن ہوا کہ آپ کا پورا انہماک واِرتکاز خالص تصوف اور روحانیت پر ہو کر رہ گیا۔(۱)

اور پھر ایسا کیوں نہ ہوتا کہ تصوف تو مولانا کا پدری ورثہ تھا؛ کیوں کہ آپ کے والد گرامی مولانا محمد فاروق عباسی چریا کوٹی بھی تصوف ومعرفت کے رمز شناس تھے، اور چراغِ ربانی مولانا محمد کامل نعمانی ولید پوری (م ۱۳۲۲ھ) کی لخت جگر ان کے حبالہ عقد میں تھیں۔ چنانچہ سید جماعت علی شاہ سے ملاقات کے بعد مولانا کی ساری تگ ودو فقہ وتصوف کے فروغ میں گزر گئی۔ اس دور میں فقہ وتصوف اور معرفت وروحانیت کی بزمیں مولانا کے وجود سے روشن تر ہو جایا کرتی تھیں، اور مولانا بالالتزام ایسی مجلسوں کو زینت بخشتے تھے۔

مستند عالم وفاضل ہونے کے علاوہ آپ ایک سنجیدہ مزاج بزرگ، اور مستند مفتی بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ (م ۱۹۴۸ء) کے بہت سے فتاوے آپ کی تصدیقات وتائیدات سے مزین نظر آتے ہیں۔(۲)

آپ اپنے دور کے نامور خطیب، بے باک صحافی اور بے لاگ مقرر تھے۔ اس دور کی کانفرنسوں میں آپ کے خطاب کی گونج آج بھی دل کے کانوں سنی جاسکتی ہے۔ غیر منقسم ہندوستان کے کونے کونے میں آپ کے خطابات دھوم دھام سے ہوا کرتے تھے۔ اور آپ کی شرکت اِجلاس کی کامیابی کی ضمانت تصور کی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُس دور کی چوٹی کی کانفرنسوں میں آپ اہل سنت کے اجلہ علما میں سرفہرست نظر آتے ہیں۔

---

(۱) ہفتہ واری اخبار ’الفقیہ‘ امرتسر، جلد ۸۔ ۱۸/شوال ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۴/مئی ۱۹۲۵ء۔ ص: ۱۰۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیں: ہفتہ واری اخبار ’الفقیہ‘، جلد ۹۔ مئی ۱۹۲۶ء۔ ص: ۱۰۔

بیسویں صدی کے تیسرے عشرے کی ابتدا میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو مرتد بنانے اور قتل کرنے کے لیے شدھی تحریک کا آغاز کیا اور ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس ہو کر اپنی مکروہ و مذموم اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے میدانِ عمل میں اُتر آئے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے ایسی درس گاہیں اور ٹریننگ سینٹر کھولنے شروع کر دیے جس میں نوعمر ہندوؤں کو اسلام کے خلاف نفرت کا درس دیا جانے لگا، اور فنونِ حرب سے آگاہ کرنے کا بندوبست کیا گیا۔

علاوہ بریں ہندوؤں نے جبہ و دستار پوش حضرات کے ایک گروپ کو طمع و لالچ دے کر اپنی لنگوٹی کا اسیر بنا لیا اور یہ لوگ سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کو کفر و شرک کے فتوؤں سے نوازنے لگے۔

ہندوؤں کے اس ناپاک منصوبے کو ناکام بنانے کے لیے ہمارے علما و مشائخ دیوانہ وار میدان میں کود ے اور اس خبیث و شیطانی اسکیم کو ملیا میٹ کرنے کی ٹھان لی۔ امیر ملت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، مبلغ اسلام شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی، مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی، تاج العلما مولانا مفتی محمد عمر نعیمی مراد آبادی، مولانا سید غلام قطب الدین برہمچاری، مولانا نثار کانپوری اور مولانا محمد یٰسین عباسی چریاکوٹی قدس اسرارہم اور ان کے متبعین نے اس سلسلے میں عدیم النظیر کارنامے سرانجام دیے ہیں۔

علامہ محمد عبد المجتبیٰ صدیقی کے بقول بنارس میں دیگر اضلاع و امصار سے مشائخ بھی آتے رہے، اور ان کی خانقاہیں آج بھی یہاں زندہ ہیں جن میں سے ایک مولانا شاہ یٰسین عباسی چریاکوٹی بھی ہیں۔ اور انھیں کی مساعی جمیلہ نے یہاں کے وقارِ علمی و روحانی کو اوجِ ثریا پر پہنچایا اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ جہاد بالقلم فرما کر کفار و مشرکین کی شدھی و سنگٹھن کی اسلام کش پالیسی کا سدباب فرمایا۔ ساتھ ہی علماے وہابیہ ہند کی متحد برطانوی

طاقت کو زیر کر کے مسلمانانِ ہند کی کامل قیادت فرماتے ہوئے اسلام کی شان وشوکت کو قائم فرمایا۔(۱)

برصغیر ہندو پاک میں اہل سنت کی بے لاگ ترجمانی کرنے والا معروف مجلّہ ماہنامہ 'جام نور' نے جماعت کی بے لوث اور گراں بہا خدمات انجام دینے والے علما و اکابرِ اہل سنت کی خدمات کے اِعتراف واِعزاز میں اپنے شماروں کو ان سے معنون کرنے کا ایک زرّیں سلسلہ شروع کیا تو اگست ۲۰۱۳ء کا شمارہ مولانا یٰسین عباسی چریا کوٹی کے نام منسوب ہوا۔ جس کا شرفِ انتساب کچھ یوں ہے :

'سیف الاسلام، مجاہد سنیت، خطیب ہند مولانا محمد یٰسین عباسی چریا کوٹی (۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء) کی تنظیمی، تحریکی اور تبلیغی خدمات کے نام۔ جنھوں نے اپنے خطابات اور مواعظ سے اہل سنت کی متعدد تحریکوں خصوصاً 'آل انڈیا سنی کانفرنس' کو کامیابی سے ہم کنار کیا۔ جنھوں نے معاصر علما کے ساتھ شدھی تحریک کے خلاف عدیم النظیر کارنامے سرانجام دیے اور اُمت مسلمہ کو اس فتنے سے محفوظ و مامون رکھا۔ جنھوں نے اپنے اسلاف کے نقوشِ قدم پر چلتے ہوئے مختلف فکری، دینی اور علمی انحرافات کا اپنی تصانیف اور وعظ و افتا کے ذریعے تعاقب کیا۔ ع : گر قبول اُفتد زہے عز و شرف'

-: اِدارہ جامِ نور :-(۲)

۲۱، ۲۲، ۲۳/ شعبان ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۷، ۱۸، ۱۹/ مارچ ۱۹۲۵ء کو مفسر قرآن صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ (خلیفہ امام احمد رضا محدث بریلوی) کی تحریک پر مرادآباد میں پہلی سہ روزہ آل انڈیا سنی کانفرنس بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوئی۔

---

(۱) اقطاب بنارس، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی: ص ۵۴، ۵۵۔

(۲) ماہنامہ جام نور، بابت: اگست- ستمبر ۲۰۱۳ء: ص ۵۔ مٹیا محل، نئی دہلی۔

اس عظیم الشان اور فقید المثال اجتماع کو کامیاب و کامران بنانے کے لیے سندھ سے لے کر ہند کے تمام صوبوں سے چوٹی کے علما و مشایخ عظام نے شرکت فرمائی۔ اس کانفرنس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ معمولاتِ اہل سنت کا فروغ ہو نیز مسلمانانِ ہند کے ایمان وعقیدہ کو بدعقیدگی کی بادِ سموم سے بچایا جا سکے۔ اسی لیے فرقہ وہابیہ کی طرف سے اس کانفرنس کی سخت مخالفت ہوئی، اور اس کو ناکام کرنے کی انھوں نے سر دھڑ کی کوشش کی؛ لیکن - الحمد للہ علیٰ اِحسانہ - ان کی ناپاک و ناپائدار ہوا کوششیں ناکام ثابت ہوئیں اور جلسہ آخر تک نہایت امن واطمینان اور خیر وخوبی کے ساتھ انجام پذیر ہوا۔(۱)

اس تعلق سے صاحب حیاتِ مخدوم العلماء نے بڑے پتے کی بات لکھی ہے کہ 'آل انڈیا سنی کانفرنس کی رکنیت کے لیے اہل سنت ہونے کی شرط لگائی گئی تھی تو ساتھ 'سنیت' کی تعریف و پہچان بھی مقرر کر دی گئی؛ چنانچہ حجۃ الاسلام، صدر الافاضل، حضرت (مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی) نے سنی کی پہچان کے متعلق تحریر فرمایا:

'سنی وہ ہے جو ما أنا علیه و أصحابی پر اعتقاد رکھتا ہو، اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور بحر العلوم فرنگی محلّی کا ماننے والا ہو، زمانۂ حال کے علما میں حضرت مولانا شاہ ارشاد حسین صاحب رام پوری، حضرت مولانا شاہ فضل رسول صاحب بدایونی، اور حضرت مولانا مفتی احمد رضا خان صاحب بریلوی کا معتقد ہو'۔(۲)

اس کانفرنس کی صدارت سنوسیِ ہند امیر ملت حضرت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہ نے فرمائی۔ صدر الافاضل علیہ الرحمہ باتفاقِ رائے اس کے ناظم اعلیٰ

---

(۱) ماہنامہ جماعت امرتسر: ۸۔ بابت اپریل ۱۹۲۵ء، آفتاب برقی پریس۔

(۲) حیات مخدوم العلماء، از: مولانا محمود احمد قادری رفاقتی: ۳۱۵۔ سون برسا، مظفر پور، بہار۔ ۱۴۲۱ھ

منتخب ہوئے۔ اور اسسٹنٹ سکریٹری و نائب ناظم کی حیثیت سے مولانا محمد یٰسین عباسی عباسی چریاکوٹی نے اپنی خدمات انجام دیں۔(۱)

ماہنامہ 'اشرفی' کچھوچھہ شریف نے اس انقلابی کانفرنس کی تفصیلات کو بڑے شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ اس میں مذکور ہے کہ 'باتفاق یہ طے پایا کہ آل انڈیا سنی کانفرنس کے صدر حضرت قبلہ عالم محدث علی پوری، اور ناظم حجۃ الاسلام مولانا سید نعیم الدین صاحب اشرفی جلالی اور نائب ناظم جناب مولانا محمد یٰسین صاحب عباسی چریاکوٹی ہیں'۔(۲)

حیات مخدوم الاولیاء میں بھی اس کی تفصیل موجود ہے اور مولانا یٰسین عباسی چریاکوٹی کی شخصیت کی مزید وضاحت کے لیے یہ فٹ نوٹ لکھا گیا ہے 'دیارِ پورب کے نامور اور عالی وقار عالم اُستاذ العلماء حضرت مولانا فاروق صاحب چریاکوٹی ...... کے فرزندار جمند، اور خاندانی کمالات سے آراستہ بزرگ تھے'۔(۳)

جن مقتدر شخصیات نے اپنے وجود سے اس کانفرنس کو مشرف کیا، اور ملت اسلامیہ کی بروقت رہنمائی کا عظیم فریضہ انجام دیا ان میں سے کچھ کے اسمائے گرامی یہ ہیں: عارفِ ربانی مولانا سید محمد علی حسین اشرفی کچھوچھوی (م۱۹۴۳ء، خلیفہ امام احمد رضا محدث بریلوی)، مناظر اسلام مولانا سید غلام قطب الدین برہمچاری اشرفی (م۱۳۵۰ھ)، مجاہد اسلام مولانا پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف بہاری (م۱۳۵۲ھ، خلیفہ امام احمد رضا محدث

---

(۱) ہفتہ واری اخبار 'الفقیہ' امرتسر، پنجاب، جلد۸۔ ۱۸/ شوال ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۴/ مئی ۱۹۲۵ء۔ ص:۹...... ماہنامہ اشرفی، کچھوچھہ مقدسہ۔ شوال المکرّم ۱۳۴۳ھ، ص: ۱۸...... خطباتِ آل انڈیا سنی کانفرنس، ۱۹۲۵ء تا ۱۹۴۷ء: ص ۸۵...... تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس: ص ۲۹۔

(۲) ماہنامہ اشرفی: ۱۹۔ بابت شوال المکرّم ۱۳۴۳ھ۔

(۳) حیات مخدوم الاولیاء، از: مولانا محمود احمد قادری رفاقتی: ۳۱۴۔ سون برسا، مظفر پور، بہار۔ ۱۴۲۱ھ

بریلوی)، شیخ المشائخ مولانا پیر سید محمد علی حسین اشرفی کچھوچھوی (م۱۳۵۵ھ)، مجاہد ملت مولانا شاہ احمد مختار میرٹھی (م۱۳۵۴ھ، خلیفہ امام احمد رضا محدث بریلوی)، حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان بریلوی قادری (م۱۳۶۲ھ، خلیفہ امام احمد رضا محدث بریلوی)، شیخ الفقہا مولانا عبدالمجید آنولوی (م۱۳۶۲ھ)، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (م۱۳۶۷ھ، خلیفہ امام احمد رضا محدث بریلوی)، امیر ملت مولانا سید جماعت علی محدث علی پوری (م۱۳۷۰ھ)، زبدۃ الفقہا مولانا عبد الحفیظ حقانی آنولوی (م۱۳۷۷ھ)، رئیس المحد ثین مولانا سید محمد اشرفی محدث کچھوچھوی (م۱۳۸۱ھ، خلیفہ امام احمد رضا محدث بریلوی)، حضرت مولانا محمد یعقوب حسین اعجاز بلاسپوری (خلیفہ امام احمد رضا محدث بریلوی) وغیرہ۔ نیز ان اعلامِ ہند کی جھرمٹ میں چریاکوٹ کی نامور شخصیت مولانا محمد یٰسین عباسی چریاکوٹی ابن علامہ محمد فاروق عباسی چریاکوٹی بھی نظر آتی ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ آپ آل انڈیا سنی کانفرنس مرادآباد کے اسسٹنٹ سکریٹری اور نائب ناظم تھے۔(۱)

امیر ملت قدس سرہ العزیز کی قائم کردہ ایک عظم الشان انجمن 'خدام الصوفیہ'- جس کی خدمات تاریخ ساز ہیں- میں جہاں مقتدر اکابر اہلسنّت مثلاً مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی، مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی، اور مولانا سید احمد الوری وغیرہ نے خطاب فرکر لاکھوں سنیوں کے قلب و روح کو گرمایا وہیں مولانا محمد یٰسین عباسی چریاکوٹی کی تقریر بھی سامعین کے قلوب واذہان معطر کر گئی۔(۲)

---

(۱) ماہنامہ فیضان، 'سنی کانفرنس نمبر' فیصل آباد،، پاکستان، شمارہ ۲،۳، ۱۹۷۸ء: ۲۲...... جہانِ امیر ملت: ۵۸...... تاریخ آل انڈیا سنی کانفرنس، محمد جلال الدین قادری: ص ۲۹۔

(۲) ہفتہ واری اخبار 'الفقیہ' امرتسر، پنجاب، جلد ۸۔ ۱۸ر شوال ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۴ر مئی ۱۹۲۵ء۔ سرورق

یوں ہی انجمن خدام الصوفیہ☆ کے بائیسویں اِجلاس میں بھی مولانا مدعو تھے۔اور دیگر علما و مشائخ کے بیان کے بعد آپ نے بھی ایک بڑا ہی مؤثر اور دل میں اُتر جانے والا بیان فرمایا۔اس اِجلاس کی روئیداد اخبار الفقیہ کے مدیر نے تیار کی، جس میں مولانا پر تبصرہ کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں :

'......اُن کے بعد جناب مولانا مولوی محمد یٰسین صاحب عباسی چریا کوٹی -نائب ناظم کل انڈیا سنی کانفرنس- نے ضرورتِ بیعت پر نہایت معقول منقول مفصل اور پُر تاثیر تقریر فرمائی، جس سے حاضرین نہایت مستفیض و مستفید ہوئے۔ جناب مولانا صاحب سے درخواست ہے کہ وہ اپنا قیمتی مضمون ضبط تحریر میں لا کر ایڈیٹر رسالہ انوار الصوفیہ لاہور کے پاس بغرضِ اشاعت ارسال فرمادیں'۔(۱)

☆ ۱۹۰۱ء میں امیر ملت قبلہ عالم حاجی پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری نے 'انجمن خدام الصوفیہ' قائم فرمائی، جس کے من جملہ اغراض و مقاصد یہ تھے: اتحادِ جمیع سلاسل تصوف ، اشاعت اسلام و تصوف ، تردید الزامات خلافِ اسلام و تصوف ، تردید مذاہب باطلہ۔اس کے جلسے پہلے بادشاہی مسجد لاہور میں ہوتے رہے، پھر سید قائم علی شاہ کی بڑی حویلی میں منعقد ہونے لگے۔ ملک بھر سے علما ؤ مشائخ کے علاوہ یارانِ طریقت اور شائقین تصوف اس میں جوق در جوق شرکت فرماتے تھے۔انجمن کی شاخیں مختلف شہروں میں قائم کی گئی تھیں جو اپنے اپنے حلقوں میں اس کے مقاصد کے مطابق سرگرم عمل تھیں۔مثلاً گجرات، سیالکوٹ، راولپنڈی، کراچی وغیرہ۔اور بھارت میں بنگلور، احمد آباد، جالندھر، مرد آباد، مدراس، کلکتہ، بمبئی، دہلی اور آگرہ وغیرہ۔

آگرہ کی شاخ ایک اور لحاظ سے خصوصیت کی حامل رہی کہ فتنہ ارتداد کے زمانے میں پورے علاقے میں تبلیغ و ارشاد کے کام کا مرکز یہ انجمن ہی تھی جس کے کارکنوں کی بیش بہا خدمات سے نہ صرف ہزار ہا ہزار اہل اسلام کے ایمان و عقیدہ کا تحفظ ہوا بلکہ بہت سے ہندو مشرف بہ اسلام بھی ہوئے۔ (سیرتِ امیر ملت، ملخصاً: ۳۵۰ تا ۳۵۷)

(۱) ہفتہ واری اخبار 'الفقیہ' امرتسر، پنجاب، جلد ۸۔۱۸/شوال ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۴/مئی ۱۹۲۵ء۔ص:۹۔

بختیار پور، پٹنہ میں بھی مولانا نے ایک تاریخی خطاب فرمایا، اور پھر اس کے بعد وہاں کے مسلمانوں کے عقیدہ وعمل کی اصلاح کے لیے ایک انجمن بنام 'اصلاح المسلمین' قائم فرمائی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کو اپنے مسلک و مذہب کے تحفظ وفروغ کی کتنی فکر تھی۔ سید حبیب الرحمٰن آنکھوں دیکھا حال یوں سپردِ قرطاس کرتے ہیں :

'مسلمانانِ بختیار پور ضلع پٹنہ کا ایک جلسہ بروز جمعہ مورخہ ۱۷؍ جولائی برمکان مسٹر قمر الہدیٰ صاحب مرحوم ہوا، جس میں فاضل چریاکوٹی حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب نے ایک زبردست تقریر مذہب اسلام کی حقانیت پر نیز برادرانِ وطن کے مظالم اور مسلم آزاریوں کے متعلق فرمائی، جس سے سامعین بہت محظوظ ہوئے۔ مولانا نے آخر میں یہ تحریک کی کہ یہاں بھی ایک انجمن 'اصلاح المسلمین' کے نام سے قائم کی جائے، اور اس کا الحاق اِمارتِ شرعیہ سے کر دیا جائے۔ مولانا کی یہ تحریک باتفاقِ رائے منظور ہوئی'۔

[سید حبیب الرحمٰن بختیار پور، ضلع پٹنہ] (۱)

اس طرح خطابت کے میدان میں آپ نے خوب جوہر دکھایا اور بیش از بیش خلق خدا کو مستفید فرمایا۔ اخبار الفقیہ کے بیشتر شمارے آپ کی دینی وملی سرگرمیوں سے لبریز ہیں۔ اختصار ملحوظ ہونے کے باعث یہاں میں صرف مدرسہ اہل سنت وجماعت مشاغل العلوم، بنارس کی ایک رپورٹ پر اکتفا کر رہا ہوں :

'الحمدللہ کہ اس مدرسہ کے فیوض وبرکات سے یوں تو ہر وقت اہل شہر مستفید ہوتے رہتے ہیں؛ لیکن خصوصیت کے ساتھ جلسہ سالانہ کے موقع پر مسلمانانِ شہر کو مستفیض ہونے کا اتفاق ہوتا ہے۔ اس مدرسہ نے اپنی ۱۴؍

(۱) ہفتہ واری اخبار 'الفقیہ' امرتسر، پنجاب، جلد ۸۔ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ مطابق ۷؍ جولائی ۱۹۲۵ء۔ ص: ۱۱

سال کی عمر میں علاوہ جلسہ ہاے وعظ کے متعدد غیر معمولی جلسے یہاں کیے، ان جلسوں میں ہمیشہ علما ومشائخ شرکت فرماتے رہے، جن کے چشمہ ہاے فیوض سے تشنہ کامانِ شریعت وطریقت سیراب ہوتے رہے۔ ان جلسوں میں اہتمام واختصاص کے ساتھ جلسہ منعقدہ ۲۹، ۳۰ رجب ویکم شعبان ۱۳۴۳ھ ہے۔ اس جلسہ میں علاوہ اور علماے کرام چند حضرات قابل ذکر ہیں جن کے دیدار کی خواہش میں ہر فرد بشر ماہی بے آب تھا۔

حضرت عظیم البرکت جناب مولانا حاجی شاہ مفتی محمد حامد رضا خان صاحب خلف وخلیفہ امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قبلہ نوراللہ مرقدہ بریلوی، عظیم المنزلت جناب مولانا حاجی شاہ سید محمد اشرف صاحب محدث کچھوچھوی، رفیع الدرجت جناب مولانا شاہ سید محی الدین صاحب بلخی، عالی المرتبت جناب شاہ صوفی جان محمد صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت چراغِ ربانی ولید پوری، والا درجت جناب شاہ عبیداللہ صاحب فاروقی سجادہ نشین پھولواروی، صدرالافاضل استاذ العلما جناب مولانا حافظ حکیم سید محمد نعیم الدین صاحب مرادآبادی۔ ان حضرات کے ظاہری وباطنی فیوض جو بنارس میں تقسیم ہوئے ان سے بنارس کا ہر فردِ بشر خوب واقف ہے۔ خصوصاً جناب مولانا یٰسین صاحب عباسی چریاکوٹی سے جو برکاتِ علوم حاصل ہوئے ان کا بیان اِمکان سے باہر ہے۔ اس قدر کہنا کافی ہے کہ اہل شہر بالاتفاق یہی کہتے تھے کہ ایسی تقریر کبھی سننے میں نہ آئی۔

کثرت سے اہل شہر دعوت کے لیے آئے تھے؛ لیکن عدیم الفرصتی سے مولانا ممدوح قیام نہ فرما سکے۔ خوبی قسمت سے باصرارِ اہل بنارس وہ شوال کو تشریف لائے۔ شب کے وقت نہایت زوردار تقریر فرمائی۔ وجوبِ تقلید

ائمہ کے سوا اور بہت سے مسائل کو ان پر زور دلائل سے فرمایا کہ مخالفین کے دانت کھٹے ہو گئے اور ہمتیں پست ہو گئیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک......'

[اراکین مدرسہ مشاغل العلوم، بنارس](۱)

مراد آباد کی انجمن خدام الصوفیہ بھی مولانا کے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز ہوتی رہتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ کی تشریف آوری پر انجمن نے استقبالیہ رکھا جس کی رپورٹ انجمن کے سیکریٹری جناب شوکت حسین سنی حنفی کی زبانی سنیے :

'بہ تشریف آوریِ مولانا مولوی محمد یٰسین صاحب عباسی چریاکوٹی نقش بندی مجددی دام برکاتہم ۲۳ جون کو انجمن خدام الصوفیہ مراد آباد کا [جلسہ] برمکان جناب ڈاکٹر جلال الدین صاحب صدر انجمن منعقد ہوا۔ جلسہ پہلے کلام پاک کی تلاوت سے شروع ہوا۔ جس میں مولانا مولوی محمد یٰسین صاحب عباسی نقش بندی چریاکوٹی نے ایک مختصر سی تقریر اخوتِ اسلامی پر کی جو نہایت مؤثر تھی۔ ساتھ ہی اس کے اخبار الفقیہ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ جو سلسلہ مضامین اخبار الفقیہ نے جاری کیا ہے وہ ظفر علی خان کی تباہ کن تحریروں سے حضراتِ احناف کو بچانے کے لیے نہایت ضروری اور لازمی ہے۔ میں حضراتِ جلسہ کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اخبار الفقیہ خالص سنی حنفی اخبار ہے، اور وہ بڑا معاون و مددگار سنیوں کا ہے؛ اس لیے اس کی خریداری آپ حضرات کے لیے ضروری ہے......۔

(۱) ہفتہ واری اخبار 'الفقیہ' امرتسر، پنجاب، جلد ۸۔ ۱۸/شوال ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۴/مئی ۱۹۲۵ء۔ ص: ۷

بعدہ ایک رِزولیوشن مولانا مولوی محمد یٰسین صاحب عباسی نے پڑھ کر سنایا جو باتفاقِ رائے پاس ہوا۔ یہ جلسہ یارانِ طریقت کا باتفاقِ رائے اخبار زمیندار کا بائیکاٹ کرتا ہے؛ کیوں کہ وہ ان اشعارِ کفریہ سے درجہ کفر کو پہنچ چکا ہے جو اشعار اخبار الفقیہ نے ظفر علی خان کے شائع کیے ہیں۔ جب تک کہ ظفر علی خان اپنے ان اشعارِ کفریہ سے توبہ شائع نہ کرے ہم یارانِ طریقت عہد کرتے ہیں کہ اخبار زمیندار کو نہ خریدیں گے اور نہ دیکھیں گے'۔

[شوکت حسین سنی حنفی جماعتی، سیکریٹری انجمن ہٰذا امداد آباد](۱)

مولانا نے مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کے تحفظ کا بھی بھرپور سامان کیا۔ اور فروغِ اہل سنت وجماعت کی سربرآوردہ جماعتوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ نے ہمیشہ حق کو حق بتایا اور باطل کو بانگ دہل باطل قرار دیا۔

یہاں تک کہ جامعہ فاروقیہ بنارس کے اس عظیم الشان اور تاریخ ساز اجلاس میں شریک اکابر علماے اہل سنت میں ایک آپ بھی تھے جہاں امام احمد رضا کے نظریۂ حق اور حسام الحرمین کی تائید وتوثیق علی رؤس الاشہاد کی گئی۔ اور مشاہیر علما ومشائخ کی موجودگی میں پورے اہتمام کے ساتھ عامۃ المسلمین کو اس تعلق سے حکم شرعی سنایا گیا۔

انجمن اِشاعۃ الحق بنارس کے ریکارڈ میں جن مشائخ کرام کی دستخطی تائیدات موجود ہیں جو بہت ہی تاریخی اہمیت کی حامل ہیں ان میں سے ایک عمدۃ المقررین، قدوۃ الفلسفین حضرت مولانا مولوی محمد یٰسین صاحب چریاکوٹی بھی ہیں۔(۲)

---

(۱) ہفتہ واری اخبار 'الفقیہ' امرتسر، پنجاب، جلد ۸۔ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ مطابق ۷/ جولائی ۱۹۲۵ء۔ ص: ۹

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیں: مخدومِ بنارس: ۱۳۔

بتایا جاتا ہے کہ جس عہد میں مولانا سانس لے رہے تھے اس دور میں آریہ دھرم کی پرفریب تبلیغ بھی زوروں پر تھی، اور گاؤں گاؤں میں گھس کر ہندو دھرم پر چارک سادہ لوح مسلمانوں کو تبدیلی مذہب پر نہ صرف ورغلا رہے تھے بلکہ موقع پا کر مجبوراً انھیں ہندو بھی بناتے جا رہے تھے۔ اس دور کے علماے اِسلام کی زندہ جاوید قربانیوں کو سلام کہ انھوں نے ہر طرح سے مسلمانوں کو اس خطرناک مذہب کے مفاسد ونقصانات سے بچانے میں اپنا مومنانہ فریضہ انجام دیا۔ چنانچہ مولانا یٰسین نے بھی اس سلسلے میں کافی قربانیاں پیش کیں اور خوب خوب اپنا زورِ خطابت دکھا کر اللہ ورسول سے مسلمانوں کے قلبی تعلق کو کمزور نہ ہونے دیا۔

چنانچہ اس سلسلے میں آپ نے سماجیوں سے مناظرے بھی کیے اور انھیں چیلنج بھی کیا۔ ایک موقع پر غازی پور میں آپ نے آریہ سماج کے خلاف بہت بڑا جلسہ کیا، جس کی رپورٹنگ کرتے ہوئے وہ خود رقم طراز ہیں :

ہندوستان کے تمام مذاہب باطلہ کو چیلنج

'میں نے اوائل نومبر (۱۹۲۵ء) میں آریہ سماج غازی پور کو اس کے جلسہ سالانہ کے موقع پر تحقیق کی دعوت دی اور ان تحقیقات کے لیے بہتر سے بہتر اور آسان سے آسان صورت بھی پیش کی؛ مگر سماجی اپنی کمزوری کی وجہ سے میدان میں نہ آئے۔

چونکہ آج کل مسلمانوں کی ناواقفیت اور اُن کے باہمی افتراق سے فائدہ اُٹھا کر مذاہب باطلہ کو فتنہ انگیزی کا موقع ملا ہوا ہے، اور ان کی ریشہ دوانیوں سے اکثر خدا پرست خاندان شرک میں مبتلا ہو گئے ہیں؛ اس لیے غازی پور میں ایک عظیم الشان اسلامی جلسہ بتاریخ ہاے ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰

رجب، مطابق ۱۱،۱۲،۱۳،۱۴ فروری ۱۹۲۶ء منعقد ہوگا، اور معرکۃ الآرا تقریریں ہوں گی۔ اس لیے تمام مخالفین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ شریک ہوکر اپنے غلط اوہام اور شکوک کو رفع کریں، اور تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس اجتماع کو کامیاب بنانے میں پوری کوشش کریں‘۔

[پتہ: خادم محمد یٰسین عباسی، غازی پور، یوپی](۱)

نیز شدھی تحریک بھی اس وقت اپنے عروج پر تھی اور عامۃ المسلمین کے ایمان ویقین کا سودا کر رہی تھی۔ لاکھوں کی تعداد میں مسلمان اس تحریک کی لپیٹ میں آگئے تھے۔ علماے اہل سنت نے اس ایمان سوز موقع پر اپنی بے لوث قربانیاں پیش کیں۔ مولانا یٰسین صاحب نے ایسے نازک وقت میں مسلمانوں کے ایمان واعتقاد کے تحفظ وبچاؤ کے لیے کی جانے والی کوششوں میں علماے اہل سنت کے شانہ بشانہ چل کر ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ اور مختلف شہروں میں جاکر اہل اسلام کی ڈوبتی کشتی کو ساحل مراد سے ہمکنار کیا۔ اس تعلق سے اخبار دبدبہ سکندری، رام پور کی ایک شہادت دیکھیے :

برادرانِ اسلام! یہ حلقہ اشاعۃ الاسلام گشتی وہ انجمن ہے جو علاقۂ ارتداد متھرا وآگرہ وغیرہ میں مدت تک ایک سال سے اپنی تبلیغی کوششوں سے اِرتداد کا اِنسداد کر رہی ہے۔ آریوں نے اپنی پوری طاقت سے جن ساڑھے چار لاکھ مسلم راج پوتوں کو مرتد بنانا چاہا تھا اور کچھ لوگ ان کے دامِ فریب کی نذر بھی ہو چکے تھے۔ اس حلقہ نے پوری قوت سے اس کا مقابلہ کر کے بہت سے مسلمان راجپوتوں کو آریوں کی گود سے چھین لیا، اور واپس لے لیا۔ اس حلقے کا جلسہ آپ کے سیوان میں ارتداد کے انسداد کے خیال سے کیا گیا ہے۔

---

(۱) ہفتہ واری اخبار ’الفقیہ‘، امرت سر، پنجاب، ۲۱ جنوری، جلد ۹۔ ۱۹۲۶ء۔ ص: ۸۔

مسلمانانِ سیوان عموماً مولانا ابوالخیرات صاحب و براتی میاں اور دیگر علما خصوصاً قابل شکر یہ ہیں جنھوں نے حلقہ کے سالانہ جلسہ کو مدعو کر کے اپنی اسلامی حمیت کا کامل ثبوت دیا ہے۔

بڑے بڑے معزز حضرات علمائے کرام مثل حضرت قبلہ مولانا مولوی شاہ سید علی حسین صاحب کچھوچھہ شریف، حضرت مولوی سید پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پور سیدان و حضرت مولوی محمد یٰسین صاحب عباسی چریا کوٹی و جناب تقدس مآب حضرت مولانا مولوی نعیم الدین صاحب مرادآبادی، مولوی قاضی احسان الحق صاحب ناظم جماعت رضائے مصطفےٰ ...... وغیرہ خاص طور مدعو ہیں جو تشریف لا کر مسلمانوں کو اپنی تقریروں سے محظوظ کریں گے اور اپنی زیارت سے مشرف فرمائیں گے۔(۱)

یہ سالانہ جلسہ سیوان کی سرزمین پر ۴، ۵، ۶، ۷ شعبان المعظم ۱۳۴۲ھ...... مطابق ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴ مارچ ۱۹۲۴ء کو منعقد ہوا۔

اس کے علاوہ آرہ میں ایک مناظراتی جلسہ ہوا جس میں بہت سے اجلہ علمائے اہلسنّت شریک ہوئے، اور شدھیوں اور آریوں کے دانت کھٹے کر دیے۔ ان میں دو تقریریں بہت کامیاب ہوئیں: ایک مولانا محمد یٰسین عباسی چریا کوٹی اور دوسری ملک العلما مولانا محمد ظفر الدین بہاری علیہما الرحمہ کی۔(۲)

علامہ عبدالمجتبیٰ صدیقی کے بقول آپ نے اس دور کی اہل سنت و جماعت کی سب سے متحرک اور فعال تحریک 'جماعت رضائے مصطفےٰ' بریلی کی زرّیں خدمات میں بالواسطہ

---

(۱) ہفت روزہ دبدبۂ سکندری، رام پور: ص: ۹۔ بابت: ۷/ مارچ ۱۹۲۴ء۔ ج: ۶۰۔ ش: ۳۰۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیے ہفت روزہ دبدبۂ سکندری، رام پور: ص: ۹۔ بابت: ۶، ۷/ مارچ ۱۹۲۴ء۔ ج: ۶۰۔ ش: ۳۰۔

اور بلا واسطہ حصہ لیا۔ اور اس جماعت نے آپ کو جہاں اور جب بھی یاد کیا آپ لبیک کہتے ہوئے وہاں حاضر ہوئے اور دین وسنیت کی خدمت کا ناقابل فراموش کارنامہ انجام دیا۔ (۱)

آپ 'انجمن اہل سنت مرادآباد' کے ناظم الامور تھے، جس کے امیر صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی، اور نائب ناظم مولانا عمر نعیمی علیہم الرحمہ تھے۔ اور یہ انجمن، جماعت رضائے مصطفیٰ (۲) بریلی کی ایک اہم شاخ تھی۔

اس انجمن کے قیام کا خاص مقصد یہ تھا کہ ضلع مرادآباد وغیرہ میں جماعت رضائے مصطفیٰ کے افکار ونظریات کو عام کیا جائے، اور خصوصاً علاج ومعالجہ کے سلسلے میں علی گڑھ کا رخ نہ کر کے انجمن اہل سنت مرادآباد کی طرف رخ کیا جائے۔

چونکہ سرسید احمد خان کے محمڈن کالج علی گڑھ (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) میں معالج کا کام یورپین لوگ کرتے تھے اور دوائیں بھی یورپ سے آتی تھیں، سارا منافع غیر مسلموں

(۱) اقطاب بنارس، مولانا عبد المجتبیٰ رضوی: ص ۱۲۱۔

(۲) **جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی:** اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے جماعتی نظم کے لیے اپنے احباب کے مشوروں سے کل ہند جماعت رضائے مصطفیٰ کی بنیاد ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں ڈالی۔ جس کے من جملہ اغراض ومقاصد یہ تھے۔ ۱: پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وعظمت کا تحفظ۔ ۲: متحدہ قومیت کا نعرہ بلند کرنے والے 'فرقہ کاندھویہ' کا تحریری وتقریری رد کرنا۔ ۳: بدمذہبوں کی چیرہ دستیوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔ ۴: آریہ اور عیسائیوں کے اعتراضات کے تحریری اور تقریری جوابات دینا۔ ۵: فاضل بریلوی امام احمد رضا اور دیگر علمائے اہل سنت کی تصانیف کی اشاعت کرنا۔ فکری واعتقادی یلغار کے خلاف اس جماعت کی خدمات ناقابل فراموش اور آب زرّیں سے رقم کرنے کے لائق ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ، از مولانا شہاب الدین رضوی)

کے ہاتھوں جاتا تھا، اور معالج انگریزی دواؤں کے پیچھے اپنے مذہب کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ ناظم انجمن اہل سنت مولانا محمد یٰسین عباسی چریاکوٹی صورتحال کا نقشہ کھینچے ہوئے رقم طراز ہیں :

پچاس سال ہوئے جب اس روز افزوں قومی انحطاط کو چند آدمیوں نے اول بار محسوس کیا، اسی احساس کے ماتحت سرسید احمد خان نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی اور علی گڑھ میں ایک شاندار کالج تیار ہوا۔ چونکہ معالج مغربی خیالات سے متاثر تھا؛ اسی لیے اس نے دوائیں یورپ کے دواخانوں سے حاصل کیں؛ اس لیے سیاسی فوائد جو کچھ بھی ہوتے ہوں مگر مذہبی امراض میں اور ترقی ہوگئی۔

دہریت کا زہر سرعت کے ساتھ بڑھنے لگا۔ اس کے علاج میں جا بجا مذہبی جماعتیں مصروف ہیں؛ لیکن الحاد کے زہر کی رفتار جس سرعت کے ساتھ تھی، مذہبی تریاق اس اعتبار سے مرض تک نہ پہنچ سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مرض اختلافِ عقائد کی شکل میں پھوٹ نکلا، اور اسلام کے ایسے پاک اور واضح مذہب میں کثرت سے ایسے فرقے پیدا ہو گئے جو ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔

اس فرقہ بندی کی بلا نے اصل مرض سیاسی پستی اور مادّی انحطاط کو اور زیادہ کر دیا۔ اس خطرناک حالت کو بھی دور کرنے کی کوشش اکثر دردمندانِ قوم نے کی؛ لیکن اس غرض سے جتنے بھی شفا خانے تعمیر ہوئے، ان سب کی بنیاد میں ایسی کجی رہ جایا کرتی تھی کہ جس سے بالآخر ساری عمارت منہدم ہو جاتی تھی، اور باوجود بار بارہ تجربہ کے اس کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

الحمدللہ کہ انجمن اہل سنت و جماعت نے ان تمام ظاہری ومخفی نقائص

وامراض کو معلوم کر کے اور ان کو دور کر کے اصلاحِ قوم کی ایک عمارت تیار کی ہے اور وہ کئی سال کے تجربے میں مفید ثابت ہوئی۔(۱)

نیز ایک مقام پر انجمن اہل سنت ☆ کی خاطر خواہانہ خدمات کے اعتراف میں مولانا یٰسین عباسی چریاکوٹی خامہ فرسا ہیں :

اب انجمن نے تمام ملک کے اہل سنت و جماعت کو فائدہ پہنچانے کے لیے ان کے اصل رشتہ اخوتِ ایمانی میں مربوط کرتے ہوئے ان کو ایک مرکز (جماعت رضاے مصطفیٰ) کے ساتھ وابستہ کرنے کا ارادہ کرلیا ہے تاکہ قوم مذہبی ضلالت اور سیاسی وملکی پستی سے محفوظ ہو جائے۔

اس مقصد کے لیے اس نے ایک وفد ترتیب دیا ہے جس میں مرکزی جماعت رضاے مصطفیٰ بریلی کے اراکین بھی شریک ہوں گے۔ یہ وفد ہندوستان کے مختلف شہروں میں جا کر مقامی اصحاب راے سے تبادلۂ خیال

---

(۱) ہفت روزہ دبدبۂ سکندری، رام پور: ص ۶، ۷۔ بابت: ۱۵/دسمبر ۱۹۲۴ء۔ ج: ۶۱۔ ش: ۲۰۔

☆ مولانا شہاب الدین رضوی نے اپنی کتاب 'تاریخ جماعت رضاے مصطفیٰ' (ص: ۳۱۰) میں اس انجمن اہل سنت مرادآباد کا تعارف ایک مستقل ذیلی سرخی کے تحت کروایا ہے؛ مگر ناظم انجمن کو مولانا محمد یٰسین مرادآبادی لکھا ہے۔ حالانکہ قرین قیاس بتاتا ہے کہ وہ مولانا محمد یٰسین عباسی چریاکوٹی ہی ہوں گے۔ اصل میں ہوا یہ ہوگا کہ چوں کہ آپ کا قیام کافی دنوں تک مرادآباد میں رہا، اس لیے شاید وطن عارضی ہونے کے باعث آپ کو مرادآبادی لکھ دیا گیا ہو۔ جیسے آخری وقت میں غازی پور ہجرت کر جانے کے باعث بعض مقامات پر آپ کے نام کے آگے 'غازی پوری' بھی لکھا ملتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے ہفتہ وار اخبار الفقیہ، ۲۳/رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ، مطابق: ۷/ اپریل ۱۹۲۶ء۔ جلد ۹۔ ص: ۱۰۔ -قادری چریاکوٹی-

کرے گا اور اس نظام عمل کو پیش کرے گا جو ان دونوں جماعتوں رضاے مصطفیٰ بریلی، اور انجمن اہل سنت مرادآباد کے تجربے میں مفید ثابت ہوا ہے۔(۱)

انجمن اہل سنت مرادآباد کا جذبہ بہتر وسودمند تھا؛ مگر ترتیب دیا جانے والا وفد کس نوعیت کا تھا، اور کیا صرف شہری لوگوں سے تبادلۂ خیال کرنا مقصود تھا؟ صرف تبادلہ خیال کے لیے کوئی تنظیم و جماعت شہر شہر جا کر اتنا بڑا اخراجہ نہیں اٹھا سکتی، اسی اصول اور جذبہ کے پس منظر میں دیکھیے تو کوئی اور بھی چیز نظر آتی ہے، جس کی وضاحت ناظم الامور نے نہیں کی، ہاں! انھوں نے یہ ضرور کہا کہ :

> مختلف مصالح کی بنا پر ہم اس نظام کی تفصیل کا اعلانِ عام نہیں چاہتے؛ لیکن قرائن ظاہری اور گزشتہ تجربہ کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر ملک نے اس آواز پر توجہ کی تو تھوڑے دنوں میں- ان شاء اللہ- مذکورہ امراض سے نجات حاصل ہو جائے گی۔(۲)

اس سے انجمن اہل سنت مرادآباد کے اراکین کا تدبر اور ان کی سیاسی بصیرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ناظم الامور مولانا محمد یٰسین نے پورے ملک کی مختلف جماعتوں کو دعوت دی کہ ایک ساتھ مل کر کام کریں اور شہروں میں آنے جانے والے وفود سے تعاون کریں۔ وہ لکھتے ہیں :

> میں اس ملک کی تمام جماعت اہل سنت سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ اس وفد کی پوری اعانت کریں، اور اس سے کامل آزادی کے ساتھ بحث اور تبادلہ خیال کریں، اور اس کے کامیاب بنانے میں کوشش کریں، اور اس

---

(۱) ہفت روزہ دبدبۂ سکندری، رام پور: ص: ۷۔ بابت: ۱۵ر دسمبر ۱۹۲۴ء۔ ج: ۶۱۔ ش: ۲۰۔

(۲) ہفت روزہ دبدبۂ سکندری، رام پور: ص: ۷۔ بابت: ۱۵ر دسمبر ۱۹۲۴ء۔ ج: ۶۱۔ ش: ۲۰۔

کے راستے میں ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ مجھ کو قوی امید ہے کہ ملک و مذہب کے دردمند حضرات مجھ ناچیز کی اس پرخلوص اور مفید استدعا پر توجہ فرمائیں گے۔(۱)

نیز مولانا یٰسین عباسی چریا کوٹی نے الفقیہ امرتسر کے اندر 'انجمن اہل سنت مراد آباد کی اہم خدمات' کے عنوان سے ایک پرمغز رپورٹ شائع کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس انجمن کی خدمات کتنی وقیع ہیں اور مسلمانانِ ہند کے تعلیمی و مذہبی اُمور کو بلند کرنے اور ان کے معاشی و مالی حالات کو بہتر کرنے میں اس کا کارنامہ کتنا گراں قدر رہے۔ مولانا رقم طراز ہیں :

یہ 'انجمن' شریعت حقہ کی حمایت اور بدعت وضلالت کے مٹانے کے لیے ۱۹۱۷ء میں قائم ہوئی۔ اور فوراً ایک مدرسہ خالص مذہبی تعلیم کی غرض سے جاری کیا۔ اس مدرسے میں علومِ عربیہ نقلیہ عقلیہ کی تعلیم بہتر طریقے پر دی جاتی ہے؛ چنانچہ اس چودہ سال کے عرصے میں ہندوستان کے مختلف اطراف واکناف کے ایک سو اٹھارہ (۱۱۸) طلبہ اس کے چشمہ فیض سے مستفید ہوئے جو فارغ التحصیل ہوکر جابجا بندگانِ خدا کے افادہ وہدایت میں مشغول ہیں۔

جب پنڈت شردھانند نے مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لیے اپنی فوج اضلاع آگرہ ومتھرا وغیرہ میں اُتاریں، اس وقت مسلمانوں کے تمام مذہبی وسیاسی پیشوا ہندوؤں کے بادۂ اتحاد سے مست و بےخود تھے، ارتداد کی گولہ

---

(۱) ہفت روزہ دبدبۂ سکندری، رام پور: ص: ۷۔ بابت: ۱۵/دسمبر ۱۹۲۴ء۔ بحوالہ تاریخ جماعت رضائے مصطفیٰ: ص، ۳۱۰ تا ۳۱۳۔ فرید بک اسٹال، لاہور۔

باری اور مسلمانوں کی آہ وزاری نے ابھی کافی طور پر ان کی خمار شکنی بھی نہیں کی تھی کہ اس مدرسہ کے طلبہ واساتذہ اور خود جناب ناظم صاحب مع دیگر اراکین کے جماعت رضاے مصطفیٰ کے ساتھ متوکلاعلی اللہ میدانِ ارتداد میں پہنچ گئے۔ جو خدمات انھوں نے وہاں انجام دیں، ان کی اشاعت تفصیل کے ساتھ جماعت رضاے مصطفیٰ کی خدمات کے سلسلے میں برابر ہوتی رہی ہے۔

اراکین انجمن، ہندوؤں کی تمام تحریکات از ابتداے تحریک مطالبہ ہوم رول تا شدھی سنگٹھن کو بغور دیکھتے رہے۔ ظاہری سامان کے علاوہ تمام خفیہ سازشیں بھی - جو مسلمانوں کی تباہی کے لیے اختیار کی گئی ہیں- ان کی دور بین نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہیں۔

ان دردمندانِ قوم نے ان تدابیر کو بھی اپنی نظروں میں رکھا جنھیں خیر خواہانِ قوم نے وقتاً فوقتاً قوم کی ترقی اور حفاظت کے لیے اختیار کیا۔ اور ان کے نتائج بھی جو کچھ ظاہر ہوئے نفع اور ضرر کی صورت میں وہ بھی مع وجوہ کے ان سے پوشیدہ نہ رہے۔

اس دیکھ بھال اور تحقیق کے بعد جو پروگرام انھوں نے بنایا ہے اور جو لائحہ عمل قومی مفاد کی غرض سے تجویز کیا ہے اور جو مقامی تجربہ میں مفید بھی ثابت ہوا ہے، اس کی عام ترویج کی غرض سے انجمن نے ملک کے تمام علما ومشائخ اور صوفیہ واہل قلم اور ماہرین سیاست کو مدعو کیا ہے۔ یہ مبارک اور عظیم الشان اجتماع گویا آل انڈیا سنی کانفرنس کی شکل میں ہوگا۔

اس اجتماعِ عظیم (کانفرنس) میں تبلیغ، تنظیم، تعلیم، مذہبی ومالی اصلاح وغیرہ کے اہم مسائل پر گفتگو اور مشورہ ہوگا، جس کی تفصیل مطبوعہ خطوط اور

اشتہارات کے ذریعہ سے شائع ہوچکی ہے اور ہورہی ہے۔ نیز اس کے متعلق متعدد وفود روزانہ روانہ کیے گئے ہیں۔ جن مقامات تک وہ پہنچے ہوں وہاں کے دردمندان سے یہ استدعا ہے کہ وہ دفتر میں وفد کی طلبی کے لیے تحریر روانہ فرمائیں۔ یا ان مطبوعہ کاغذات کو طلب فرما کر ملاحظہ کرلیں جن میں کانفرنس کے تمام اغراض ومقاصد وغیرہ کی تفصیل درج ہے۔

اس انجمن نے باوجود اپنی بے بضاعتی اور کس مپرسی کے جو اہم مذہبی خدمات انجام دی ہیں ان کی تفصیل اختصار کے منافی ہے۔ مختصراً صرف اس قدر عرض ہے کہ اس نے ایک بہترین عربی مدرسہ کے علاوہ شہر میں متعدد مدارسِ شبینہ کا بھی اجرا کیا ہے۔ جن میں شب کے وقت مختلف پیشہ وروں اور ہرکاروں کو مسائل مذہبی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ شہر کے علاوہ قصبات میں اس کے سفرا برابر گشت کررہے ہیں، جو مسلمانوں کے مذہبی، علمی، مالی حالات کا صحیح نقشہ دفتر کو روانہ کرتے ہیں۔ انجمن اس نقشہ کے مطابق ان کی اصلاح اور حالت کے بہتر بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ چنانچہ دیہاتوں میں بھی اس وقت تک متعدد مدارس کا اجرا ہوگیا ہے، اور برابر ہورہا ہے۔ [محمد یٰسین عباسی، ناظم انجمن اہلسنّت، مرادآباد] (۱)

یوں ہی غازی پور کے اندر آپ نے ’اتحادِ مشرق‘ کے نام سے ایک اخبار شروع کرنے کا خاکہ تیار کیا تھا، ساری تیاریاں مکمل ہوچکی تھیں؛ لیکن ایک شدید بیماری نے اس خاکے میں رنگ آمیزی کا موقع نہ دیا اور اس طرح وہ سارا خاکہ رزقِ خاک ہوکر رہ گیا۔ اخبار کے منیجر نے اس کی ایک رپورٹ یوں شائع کرائی تھی:

---

(۱) ہفتہ واری اخبار ’الفقیہ‘ امرتسر: ۲۱ فروری، ۱۹۱۷ء۔ ص: ۶ تا ۷۔

'**اعلان:** 'اتحادِ مشرق' جس کی اشاعت غازی پور (یو. پی) سے اسی ماہ مارچ (۱۹۲۶ء) کے اوّلِ ہفتہ سے زیر ادارت سیف الاسلام حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب عباسی چریاکوٹی ہونے والی تھی سر دست مرضِ طاعون کی زیادتی کی وجہ سے ملتوی کردی گئی ہے۔ امید ہے کہ آخر ماہِ حال تک کچھ صورت امن وسکون کی رونما ہو؛ لہٰذا اخبار کے معاونین کرام سے استدعا ہے کہ چند دن اور انتظار کریں'۔ [خادم منیجر اخبار، غازی پور، یو. پی](۱)

تاہم اس مرضِ طاعون سے آپ جاں بر نہ ہوسکے، اور ۱۰/ رمضان ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۹/ مارچ ۱۹۲۶ء، سلیم پور ضلع گورکھ پور میں آپ کا وصال ہوگیا۔ معروف سنی اخبار ہفتہ وار 'الفقیہ' میں آپ کی تعزیت سرورق پر اِن الفاظ میں کی گئی :

'**وفات حسرت آیات:** نہایت رنج وقلق سے یہ خبر حوالہ قلم کی جاتی ہے کہ ہمارے پیر بھائی سیف الاسلام مولانا مولوی محمد یٰسین صاحب عباسی چریاکوٹی - اسسٹنٹ سکریٹری آل انڈیا سنی کانفرنس مرادآباد- نے مورخہ ۲۹/ مارچ [۱۹۲۶ء] پونے چار بجے دن کے اس جہانِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف کوچ فرمایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم عالم وفاضل ہونے کے علاوہ ایک سنجیدہ مزاج بزرگ تھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی مغفرت اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمادے'۔(۲)

انجمن خدام الصوفیہ مرادآباد نے آپ کے سانحہ ارتحال پر ایک جلسہ تعزیت منعقد کیا جس میں اہل علم آپ کے فضائل وکمالات اور حیات وخدمات پر روشنی ڈالی۔ الفقیہ کے صفحہ ۱۰ پر ایک رپورٹ ملاحظہ فرمائیں :

(۱) ہفتہ واری اخبار 'الفقیہ'، جلد ۹۔ ۲۴ شوال، ۱۳۴۴ھ۔ ۷ اپریل ۱۹۲۶ء۔ ص: ۱۰۔

(۲) ہفتہ وار الفقیہ، سرورق: ۲۳/ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ، مطابق: ۷/ اپریل ۱۹۲۶ء۔ جلد ۹، نمبر ۱۳

'انجمن خدام الصوفیہ مراد آباد کا جلسہ جو مولانا قطب الدین صاحب برہمچاری جی کی صدارت میں منعقد ہوا، جناب مولوی محمد یٰسین صاحب عباسی چریا کوٹی جماعتی کی وفاتِ حسرت آیات پر۔ جو ۱۵؍رمضان المبارک (۱۳۴۴ھ) کو بمقام سیلم پور ضلع گورکھ پور بمرضِ طاعون واقع ہوئی، نہایت رنج واندوہ کا اظہار کرتا ہے۔ ہمیں ان کے پس ماندگان کے ساتھ ہمدردی ہے، اور ہم ان کی حفظ وامان کی دعا کرتے ہیں۔

مولانا موصوف نہایت آزادطبع اور آزاد خیال واقع ہوئے تھے۔ فلسفہ کا رنگ آپ کی طبیعت پر غالب تھا۔ سالِ گزشتہ جب حضرت پیر حاجی حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب قبلہ عالم مدظلہ العالی انجمن اہل سنت وجماعت مراد آباد میں رونق افروز ہوئے جہاں مولانا موصوف محکمہ تبلیغ کے ناظم تھے، اور حضرت قبلہ عالم کے بیان سننے کا اتفاق ہوا تو وہ فلسفہ کی خشک دماغی اس عارفِ کامل کے فیض روحانی سے رفع ہوگئی، اور جناب مولانا نے وہیں قدموں پر سر جھکا کر شرفِ غلامی حاصل کیا۔ ہمیں اپنی جماعت میں سے اس فاضل کے کم ہونے پر نہایت قلق ہے۔

جناب صدر نے مولانا کی سوانح عمری اور ان کے قومی کارنامے بیان فرمائے، اور جناب مولوی محمد عمر صاحب مہتمم مدرسہ انجمن اہل سنت نے ان کی وفات حسرت آیات پر مختصر سی تقریر نہایت پر اثر بیان فرمائی۔ جلسہ دعا پر ختم ہوا'۔ [شوکت حسین، سیکریٹری انجمن ہٰذا مراد آباد](۱)

مولانا عنایت رسول عباسی چریا کوٹی کی شہرۂ آفاق کتاب 'بشریٰ' جو معرضِ تعویق میں پڑی ہوئی تھی اور اس کی طباعت کی کوئی سبیل نہیں بن پا رہی تھی، آپ نے بھی اس کی

(۱) ہفتہ وار الفقیہ، ۲۳؍رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ، مطابق: ۷؍اپریل ۱۹۲۶ء۔ جلد ۹۔ ص: ۱۰۔

طباعت کے سلسلے میں اپنی سی کوشش کی؛ لیکن انجام کار کیا ہوا، اس کی تفصیل آپ کے برادر گرامی مولانا محمد امین عباسی یوں پیش کرتے ہیں :

'بعد ازاں میرے چھوٹے بھائی مولوی محمد یٰسین مرحوم نے اس کے چھپوانے کی طرف توجہ کی اور غازی پور میں ایک مطبع 'اتحادِ اسلام' کے نام سے قائم کیا اور ارادہ ہوا کہ اس کتاب کو اس مطبع میں طبع کرائیں؛ لیکن اب بھی اس کتاب کی قسمت میں طبع ہونا مقدر نہ تھا، اُن کی حیات نے وفا نہ کی اور مرضِ طاعون میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون'۔(۱)

ملی وتحریکی سرگرمیوں نے آپ کو گھر بیٹھنے کی مہلت اور یکسوئی کا موقع بہت کم فراہم کیا جس کے باعث تصنیف و تالیف پر آپ کا ارتکاز کم رہا؛ پھر بھی آپ نے مختلف موضوعات پر طویل مضامین اور کچھ رسالے تحریر فرمائے ہیں جو ابھی تک زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہوئے۔ 'خلافت راشدہ' پر ایک کتاب گورکھ پور سے شائع ہو چکی ہے۔ رسالہ سحبان گورکھ پور مدتوں آپ کی ادارت میں نکلتا رہا۔(۲)

یوں ہی علماے چریا کوٹ کی طرف سے جاری کردہ شاندار رسالہ 'العلم' بھی آپ کے مقالات وتاثرات سے مزین ہو کر طبع ہوتا تھا۔ نیز آپ اس کے لیے سلسلہ وار مضامین بھی لکھتے رہے۔ ۱۹۱۶ء اگست وستمبر کے شمارے میں الحیوانات فی الفرقان کے تحت آپ نے وجوہِ اعجازِ قرآنی کا بڑا معلومات آفریں سلسلہ شروع کیا تھا، جس کی ڈاکٹر سر اقبال نے کافی سراہنا کی تھی، اور اس کے مطالعے سے خوب محظوظ ہوئے۔ خدا معلوم یہ سلسلہ کہاں تک پہنچا، ہمیں تلاشِ بسیار کے بعد 'العلم' کے صرف یہی دو شمارے ہنوز وصول ہو سکے ہیں۔(۳)

---

(۱) مقدمہ بشریٰ، محمد امین عباسی چریا کوٹی: ۳، مطبوعہ علی گڑھ۔

(۲) اسلام اور عصر جدید: ۴۹ جولائی ۱۹۷۴ بحوالہ تذکرہ علماے اعظم گڑھ: ۳۱۱۔

(۳) ماہنامہ العلم، جلد ۱، شمارہ ۴، ستمبر ۱۹۱۶ء۔ ص ۲۴۵۔ ابراہیمیہ پریس، اعظم گڑھ۔

تیسرا فرزند دل بند

شمس العلماء مولانا پروفیسر محمد امین عباسی چریاکوٹی

مولانا محمد فاروق عباسی چریاکوٹی نہ صرف خود علم وفضل کے میدان میں فردِ فرید تھے، بلکہ آپ کے تینوں صاحبزادگان بھی علم واَدب کے آفاق پر آفتاب وماہتاب بن کر جلوہ ریز ہوئے تھے۔ دبستانِ چریاکوٹ کی علمی وفکری سطح کو بلند کرنے میں ان تینوں سپوتوں نے اپنا گراں قدر تعاون پیش کیا ہے۔

مولوی محمد امین عباسی بن مولانا فاروق عباسی اپنے عہد کے ممتاز ترین علما میں ہوئے ہیں۔ ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۸۰ء میں 'دارالعلم' چریاکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کا اہتمام گھر کی چہار دیواری کے اندر ہوا۔ پھر تربیت کے زیور سے آراستہ ہونے کے لیے اپنے نانا شیخ کامل مولانا محمد کامل نعمانی ولید پوری کے بافیض دامن سے وابستہ ہوگئے۔

دیگر علوم وفنون کی تحصیل اپنے والد گرامی سے کرنے کے بعد اپنے عم محترم مولانا عنایت رسول عباسی کے خوانِ علم وکمال سے بھی خوب خوب خوشہ چینی کی، اور اِن بافیض درسگاہوں سے باکمال ہوکر اُٹھے۔ آپ کو سات زبانوں میں کامل دستگاہ حاصل تھی: عربی، فارسی، انگریزی، عبرانی، ترکی، ہندی اور سنسکرت؛ مگر عربی وفارسی کے فاضل جلیل مانے جاتے تھے۔

۱۳۱۱ھ میں اپنے نانا مولانا محمد کامل نعمانی علیہ الرحمہ کی معیت میں زیارتِ حرمین شریفین کا اِعزاز حاصل کیا۔ وطن واپسی کے بعد فروغِ علم کا جذبہ آپ کو مختلف جگہوں پر لے

گیا، اور آپ نے متعدد مقامات پر خلق خدا کو اپنے درس و اِفادہ سے بہرہ یاب کیا: مثلاً بریلی، باندہ، علی گڑھ، اور کلکتہ وغیرہ۔ اس کے بعد ڈھاکہ کالج، پھر ڈھاکہ یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے، اور اسی منصب پر فائز رہ کر خیراتِ علم وفیض بانٹتے رہے۔ آپ نے اپنے آباؤ اجداد کا نام روشن کرتے ہوئے اپنی خداداد علمی قابلیت اور ادبی صلاحیت کی بنا پر حکومت وقت سے 'شمس العلماء' کا خطاب حاصل کیا۔(۱)

آپ کی شادی گورکھ پور کے رئیس وزمیں دار مولوی محمد محسن عباسی کی بیٹی خاتون بی بی سے ہوئی تھی جن کے بطن سے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ اپنے بیٹے عبدالباقی عباسی کی ملازمت کے سلسلے میں گورکھ پور کی سکونت ترک کر کے ڈھاکہ (مشرقی پاکستان) چلے گئے جہاں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ بعد میں بنگلہ دیش بن جانے پر وہاں کے ہنگاموں سے کسی طرح نکل کر کراچی منتقل ہو گئے۔

خواجہ ناظم الدین سابق گورنر جنرل پاکستان آپ کے شاگردوں میں تھے۔ نیز ڈاکٹر معتصم عباسی آزاد بھی ان کے علمی خوشہ چینوں میں سے تھے۔

اپنے والد مولانا فاروق چریاکوٹی اور جملہ برادرانِ عالی تبار کی طرح آپ بھی معمولاتِ اہل سنت و جماعت پر تا حیات عامل رہے اور 'پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ' کی روایت کو زندہ وتابندہ رکھا۔

بتایا جاتا ہے کہ آپ ہمیشہ اِحترام وعقیدت کی وارفتگی کے ساتھ میلاد وقیام کیا کرتے تھے۔ جناب احسان اللہ عباسی گورکھ پوری کے پوتے جناب ارمان اللہ عباسی نے ایک خصوصی ملاقات کے دوران مجھے بتایا کہ مولانا امین عباسی جہاں بھی رہے بزم میلاد میں شرکت کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتے رہے؛ حتیٰ کہ ڈھاکہ یونیورسٹی بنگلہ دیش میں بھی آپ

---

(۱) نزہۃ الخواطر، حکیم عبدالحی رائے بریلوی: ۱۳۵۱۔ مطبوعہ دار ابن حزم۔

کے یہ معمولات کم نہ ہوئے اور پروفیسری کے دنوں میں بھی ذوق وشوق کے ساتھ محافل میلاد منعقد کرتے اوران میں شرکت کا بھرپور اہتمام کیا کرتے تھے۔

اس کی تائید وتوثیق میں علامہ مفتی ظہور الدین عباسی چریا کوٹی کا رسالہ 'سبل السلام فی اثبات المولد والقیام' کو پیش کیا جاسکتا ہے، جس میں انھوں نے میلاد اور صلوٰۃ وسلام کے کھڑے ہوکر پڑھنے کے جواز پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اس کتاب کی تصدیق کرنے والوں میں جہاں بہت سے جید علماے اعلام اور مفتیانِ ذی الاحتشام شامل ہیں وہیں شمس العلماء مولانا محمد امین عباسی چریا کوٹی بھی شامل ہیں، بلکہ سب سے پہلی تصدیق وتوثیق آپ ہی کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں :

'میں نے اس کتاب (سبل السلام فی المولد والقیام) کو اوّل سے آخر تک دیکھا، حوالے صحیح ہیں، اور تحقیق مسئلہ بہت عمدہ ہے۔ خاص کر برخوردار کے تحقیق مسئلہ سے دل بے حد خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ عمر دراز کرے۔ المرقوم ۳؍ستمبر ۱۹۳۵ء'

شمس العلماء محمد امین عباسی چریا کوٹی، پروفیسر عربی کالج ڈھاکہ(۱)

لہٰذا اگر مولانا کے بیٹوں میں یا خانوادۂ عباسیہ میں کوئی میلاد وقیام وغیرہ کا قائل نہیں یا معمولاتِ اہل سنت اسے ایک نظر نہیں بھاتے تو وہ اپنے عقائد ونظریات پر نظر ثانی کی زحمت کرے، مستند علماے چریا کوٹ -الحمدللہ- صدیوں سے نہ صرف معمولات اہل سنت کے قائل وعامل رہے ہیں بلکہ عوام چریا کوٹ کو اس راہ پر لگا کر بھی گئے ہیں۔ جو آج بھی اپنے بزرگوں کے بتائے ہوئے مسلک وعقیدہ پر پابندی کے ساتھ کاربند ہیں۔

ہر چند کہ تصنیف وتالیف کی طرف آپ کی توجہ بہت کم تھی، پھر بھی کچھ یادگار مولانا اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ ابوریحان محمد بن احمد بیرونی کی بے نظیر تصنیف 'قانونِ مسعودی'

---

(۱) سبل السلام فی المولد والقیام، مصنفہ: ظہور الدین عباسی چریا کوٹی: صفحہ ۳۷۔ ملت پریس اعظم گڑھ

کا ترجمہ آپ کا عظیم کارنامہ ہے، جس نے ایک زمانے تک آپ کو اپنی زلف گرہ گیر کا اَسیر کیے رکھا۔

ایشیا ٹک لٹریری سوسائٹی، لکھنؤ نے ۱۹۵۹ء میں آپ کی مایۂ ناز کتاب 'اردو رسم الخط اوراس کی اہمیت' کی طباعت کا اہتمام کیا۔ یہ کتاب دراصل جواب ہے ان سوالات کا جو مرکزی انجمن ترقی اردو کی طرف سے شائع کیے گئے تھے اور ہر صاحب رائے سے خواہش ظاہر کی گئی تھی کہ اردو رسم الخط کی اصلاح کے لیے اپنی رائیں پیش کریں تاکہ آئندہ ہونے والے کنونشن (جو علی گڑھ میں ۵۷ء میں ہوا) پیش کیا جاسکے۔

تو اس کتاب میں مولانا نے حقائق وشواہد کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ اردو رسم الخط میں جدید اصلاحات تعمیر کی بجائے تخریب زبان کا باعث ہوں گی اور ان تبدیلیوں سے بجائے فائدے کے شدید نقصانات کا امکان ہے۔اس کتاب پر علامہ نیاز فتح پوری نے بڑا ہی جامع اور معرکۃ الآرا پیش لفظ تحریر کیا ہے۔کتاب کی حیثیت واقعی کو بیان کرتے ہوئے وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں :

> 'اس سلسلے میں (یعنی اردو رسم الخط کے تعلق سے) اکثر حضرات نے مختلف زاویوں سے اظہارِ خیال کیا ہے؛ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس باب میں شمس العلماء مولوی محمد امین عباسی (سابق پروفیسر عربی ڈھاکہ کالج) نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بڑی جامع حیثیت رکھتا ہے...... فاضل نقاد نے جس خوبی کے ساتھ اس موضوع کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر دادِ تحقیق دی ہے وہ بجائے خود ایک بڑا انتقادی کارنامہ ہے، جس کی بنیاد پر آئندہ بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ فاضل نقاد نے یوں تو بحث کے کسی پہلو کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا؛ لیکن خصوصیت کے ساتھ 'رسم خط' پر ان کی بحث ونظر بڑی قیمت رکھتی ہے؛ کیوں کہ تحقیق واستدلال کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو ترک

ہو گیا ہو، یا جس کی تردید آسانی سے ہو سکتی ہو‘۔(۱)

علاوہ بریں علی گڑھ کے دورانِ قیام میں رشید احمد سالم کے ساتھ ’جواہر خسروی‘ ترتیب دی۔فن موسیقی پر ایک مقالہ ادارہ انیس ادب الٰہ آباد نے شائع کیا۔مولانا عنایت رسول کی مایۂ ناز کتاب بشریٰ پر ایک مبسوط اور پر مغز مقدمہ تحریر کیا۔نیز تصوف کے موضوع پر ایک جاندار مضمون قلم بند کیا جو قسط وار ’سحبانُ‘ (شوال ۱۳۴۰ھ،ص ۵۴-و-ذی الحجہ ومحرم ۱۳۴۱ھ، ص ۲۹) گورکھ پور میں شائع ہوتا رہا۔(۲)

اس کے علاوہ چریا کوٹ کی سرزمین سے شائع ہونے والے معرکۃ الآرا رسالہ ’العلم‘ کے مستقل لکھاریوں میں تھے۔العلم کے جو شمارے ہماری تحویل میں ہیں، ان میں آپ کے کئی مضامین مختلف عناوین کے تحت شامل ہیں۔

’ایقاظ النیام به تحقیق الرویا والاحلام‘ بھی آپ کا تحقیقی کارنامہ ہے۔اس کتاب کی رپورٹنگ ماہنامہ ’العلم‘ اعظم گڑھ کے فلیپ پر جو کی گئی اس کا خلاصہ بیان کر دینا یہاں فائدے سے خالی نہ ہو گا۔محمد عبدالرشید منیجر رسالہ ’العلم‘ رقم طراز ہیں:

> خواب کے متعلق مورخانہ وفلسفیانہ تحقیقات۔ اس مضمون میں اور زبانوں سے زیادہ سنسکرت سے خاص طرح پر مدد لی گئی ہے جس کو دیکھ کر ایک مسلمان کی سنسکرت دانی پر حیرت ہوتی ہے۔تصوف، فلسفہ ہنود اور فلسفہ یورپ کا موازنہ، طرزِ استدلال، اندازِ بیان، عجیب وغریب انکشافات ومعلومات اپنی اپنی جگہوں پر محیر العقول ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اپنی نوعیت خاص کا بے مثل رسالہ ہے۔

(۱) اردو رسم الخط اور اس کی اہمیت: ز،ح۔مطبوعہ ایشاٹک لٹریری سوسائٹی، لکھنؤ۔جنوری ۱۹۵۹ء

(۲) سہ ماہی اسلام اور عصر جدید، نئی دہلی، جولائی ۱۹۷۳ء: ۹۲، ۹۳۔

جن لوگوں کو فضلاے چریاکوٹ کی قابلیت کا اندازہ ہے وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ مصنفۂ مولانا حاجی مولوی محمد امین صاحب فاضل چریاکوٹی، خلف اکبر استاد الاساتذہ شیخ الوقت مولانا قاضی محمد فاروق چریاکوٹی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو علاوہ علومِ عربی و فارسی سنسکرت اور بھاشا کے فاضل، عبرانی، ترکی، اور انگریزی کے ماہر فرد ہیں۔ پہلے یہ مضمون کی صورت میں مدت تک ہفتہ وار انسٹی ٹیوٹ گزٹ سے شائع ہوتا رہا ہے۔ اب ہم نے ایک مبسوط کتاب کی صورت میں اپنے پریس سے شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے تا کہ اہل شوق خاص لطف اُٹھائیں۔(۱)

۱۹/دسمبر ۱۹۷۰ء (۲۰/شوال ۱۳۹۰ء) میں آپ نے وصال فرمایا، اور محمد پور، ڈھاکہ (بنگلہ دیش) میں آسودۂ خواب ہیں۔(۲)

اس طرح دیکھا جائے تو ایک عظیم باپ کی صلب سے وجود پذیر ہونے والے تین عظیم بیٹوں نے اپنے علم وکمال، بصیرت ومعرفت اور تجربات ومشاہدات سے برصغیر کے علمی وفکری، سیاسی وروحانی اور تاریخی وصحافتی دامن کو بیش قیمت جواہرات سے مالا مال کر دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ معاصر مورخین نے حقائق کے چہرے سے نقاب کشائی کی زحمت نہ کی اور بہت ہی تن آسانی سے کام لیتے ہوئے اتنی عظیم شخصیات کو قلم انداز کر دیا؛ ورنہ آج ہندوستان کے علمی اُفق پر دبستانِ چریاکوٹ کا نام حروفِ زرّیں سے لکھا ہوا ہوتا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں اِبلاغِ حق کی لازوال دولت سے مالا مال کرے اور ہر ایسے کام کی توفیق ہمارے رفیق حال کر دے جس سے دارین کی سرمدی خوشیوں کا حصول ممکن ہو سکے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

---

(۱) ماہنامہ العلم، جلد۱، شمارہ۴، اگست ۱۹۱۶ء۔ اندرونِ سرورق۔ ابراہیمیہ پریس، اعظم گڑھ۔

(۲) اُردو اَدب، شمارہ۲، ۱۹۸۰۔ ص:۵۷۔

خطۂ چریاکوٹ مشاہیر کی نظر میں

ڈاکٹر سر محمد اقبال: ’چریاکوٹ سے ایک عالم فیض یاب ہے‘۔

پروفیسر محمد ایوب قادری: ’پورب کی سرزمین علم وفضل اور شعر وادب کے اعتبار سے نہایت زرخیز رہی ہے۔ یہاں سے علوم وفنون کے وہ سوتے پھوٹے کہ گلشن معارف وادب میں بہار آگئی اور یہ خطہ افاضل واکابر کا مسکن ومرکز بن گیا، ان میں ایک چریاکوٹ بھی ہے‘۔

اقبال سہیل اعظمی: ’ہندوستان کا وہ کون سا گوشہ ہے جو فضل وکمال کے اس سرچشمے (چریاکوٹ) سے سیراب نہیں ہوا‘۔

ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی: ’چریاکوٹ‘ آج ایک غیر مرتب بستی کے سوا کچھ بھی نہیں؛ لیکن ماضی میں اسلامی ہند کی علمی تاریخ کا ایک زرّیں باب تھا۔ اس کے صدر نشیں علما وفضلا نے خطہ شرق ہی میں شہرت نہیں پائی بلکہ پورے برصغیر ہندوپاک پر اپنی عظمت فضل وکمال کا سکہ بٹھا دیا‘۔

علامہ بدر القادری: ’چریاکوٹ مسلم دورِ عروج سے لے کر ماضی قریب تک متواتر ہندوستان میں اپنی علمی عظمت کا لوہا منواتا رہا ہے‘۔

صحافی حاصل اعظمی: ’چریاکوٹ گزشتہ چھ سات سو سال سے ہندستان کا خطہ یونان سمجھا جاتا ہے۔ آج ایشیا میں جتنے علمی وادبی وروحانی چشمے ملیں گے وہ سب کے سب بحر العلوم یونانِ ہند ’چریاکوٹ‘ ہی کے جاری کردہ ملیں گے‘۔

SUNNI PUBLICATIONS
2818/6, Gali Garahiya, Kucha Chellan
Darya Ganj, New Delhi-110002
Mob.: 9867934085
E-mail: zubair006@gmail.com

₹ 100.00
ISBN 81-89872-41-9

9788189872410

KAMAL BOOK DEPOT
Madarsa Shamsul Uloom
Ghosi, Distt. Mau, (U.P.)
Cell: 09935465182
09335082776